TALIM - UL - ISLAM COLLEGE RABWAH

المنار جرمنی

Almanar Deutschland

جولائی تا ستمبر 2022

المنار جرمنی

بمطابق:وفا۔ظہور۔تبوک 1401 ہجری شمسی   جولائی تا ستمبر 2022

زیرِ نگرانی

پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب

سرپرست تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

صدر تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی

چوہدری عبد الغفور ڈوگر

مدیر اعلیٰ المنار

چوہدری محمد کولمبس خاں

پتہ

Bait us Sabooh

Genferstrasse 11

60437 Frankfurt / M

E-Mail: columbuskhan@gmail.com

اطلاع

تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کی مجلس عاملہ کے انتخابات امسال ان شاءاللہ منعقد ہونگے۔ تمام چندہ دہندگان سابق طلبہ اس میں ووٹ کے اہل ہوں گے ایسوسی ایشن کا سالانہ چندہ بیس یورو ہے۔ جن بھائیوں نے ابھی تک ادا نہیں کیا وہ براہِ کرم مقامی جماعت میں ہی جماعتی رسید بک پر TMF کی مد میں جلد جمع کروادیں۔اور رسید کی فوٹو بھجوادیں۔

ارشادِ باری تعالیٰ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

وَاعۡتَصِمُوۡا بِحَبۡلِ اللّٰہِ جَمِیۡعًا وَّلَا تَفَرَّقُوۡا ۪ وَاذۡکُرُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰہِ عَلَیۡکُمۡ اِذۡ کُنۡتُمۡ اَعۡدَآءً فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ (آلِ عمران:104)

اللہ کے نام کے ساتھ جو بے انتہا رحم کرنے والا، بن مانگے دینے والا (اور) بار بار رحم کرنے والا ہے

اور اللہ کی رسّی کو سب کے سب مضبوطی سے پکڑ لو اور تفرقہ نہ کرو اور اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں کو آپس میں باندھ دیا اور پھر اس کی نعمت سے تم بھائی بھائی ہو گئے۔ اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر (کھڑے) تھے تو اس نے تمہیں اس سے بچا لیا۔ اسی طرح اللہ تمہارے لئے اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ شاید تم ہدایت پا جاؤ

Und haltet euch allesamt fest am Seile Allahs; und seid nicht zwieträchtig; und gedenket der Huld Allahs gegen euch, als ihr Feinde waret. Alsdann fügte Er eure Herzen so in Liebe zusammen, dass ihr durch Seine Gnade Brüder wurdet; ihr waret am Rande einer Feuergrube, und Er bewahrte euch davor. Also macht Allah euch Seine Zeichen klar, auf dass ihr rechtgeleitet seiet.

حدیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم

عن أبي هريرة - رضي الله عنه- عن رسول الله - صلى الله عليه وسلم- قال:
"كَلِمَتَانِ خفيفتان على اللسان، ثقيلتان في الميزان، حبيبتان إلى الرحمن:
سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم"

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

دو کلمے ایسے ہیں جو زبان پر ہلکے ہیں لیکن میزان میں وزنی ہیں اور اللہ کو محبوب ہیں (وہ یہ ہیں)

" سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ "

Hazrat Abu Huraira (möge Allah mit ihm zufrieden sein) sagt, dass der Prophet (Allahs Frieden und Segen seien auf ihm) sagt:

Es gibt zwei Worte, die leicht auf der Zunge sind, aber auf der Waage wiegen und von Allah geliebt werden (sie sind)

" سُبْحَانَ اللَّهِ الْعَظِيمِ ، سُبْحَانَ اللَّهِ وَبِحَمْدِهِ "

ارشاد حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام

"ایک وہ زمانہ تھا کہ ہمارے لئے ہائی کلاسز کو جاری کرنا بھی مشکل تھا۔ یہاں (قادیان میں) آریوں کا مڈل سکول ہوا کرتا تھا"۔ "شروع شروع میں اس میں ہمارے لڑکے جانے شروع ہوئے تو آریہ ماسٹروں نے ان کے سامنے لیکچر دینے شروع کئے کہ تم کو گوشت نہیں کھانا چاہئے۔" (ہندو گوشت نہیں کھاتے۔) "گوشت کھانا ظلم ہے۔ وہ اس قسم کے اعتراضات کرتے جو کہ اسلام پر حملے تھے۔ لڑکے سکول سے آتے اور یہ اعتراضات بتلاتے" (قادیان میں) ایک پرائمری سکول تھا اس میں بھی اکثر آریہ مدرس" (ٹیچر) "آیا کرتے اور یہی باتیں سکھلایا کرتے تھے۔ پہلے دن جب میں سرکاری پرائمری سکول میں پڑھنے گیا" (یعنی حضرت مصلح موعود اپنا بیان فرما رہے ہیں کہ جب میں اس سرکاری پرائمری سکول میں پڑھنے گیا) "اور دوپہر کو میرا کھانا آیا تو میں سکول سے باہر نکل کر ایک درخت کے نیچے جو پاس ہی تھا کھانا کھانے کے لئے جا بیٹھا۔ مجھے خوب یاد ہے کہ اس روز کلیجی پکی تھی اور وہی میرے کھانے میں بھجوائی گئی۔ اس وقت میاں عمر دین صاحب مرحوم جو میاں عبداللہ صاحب کے والد تھے وہ بھی اسی سکول میں پڑھا کرتے تھے لیکن وہ بڑی جماعت میں تھے اور میں پہلی کلاس میں تھا۔ میں کھانا کھانے بیٹھا تو وہ بھی آ پہنچے اور دیکھ کر کہنے لگے۔ 'ہیں ماس کھاندے او ماس'۔ حالانکہ وہ مسلمان تھے۔ اس کی یہی وجہ تھی کہ آریہ ماسٹر سکھلاتے تھے کہ گوشت خوری ظلم ہے اور بہت بری چیز ہے۔ ماس کا لفظ میں نے پہلی دفعہ ان سے سنا تھا۔ اس لئے میں سمجھ نہ سکا کہ ماس سے مراد گوشت ہے۔ چنانچہ میں نے کہا یہ ماس تو نہیں کلیجی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ ماس گوشت کو ہی کہتے ہیں۔ پس میں نے ماس کا لفظ پہلی دفعہ ان کی زبان سے سنا اور ایسی شکل میں سنا کہ گویا ماس خوری بری ہوتی ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ غرض آریہ مدرّس اس قسم کے اعتراضات کرتے رہتے اور لڑکے گھروں میں آ کر بتاتے کہ وہ یہ اعتراض کرتے ہیں۔ آخر یہ معاملہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا تو آپ نے فرمایا جس طرح بھی ہو سکے جماعت کو قربانی کر کے ایک پرائمری سکول قائم کر دینا چاہئے۔ چنانچہ پرائمری سکول کھل گیا اور یہ سمجھا گیا کہ ہماری جماعت نے انتہائی مقصد حاصل کر لیا۔ اس عرصے میں ہمارے بہنوئی نواب محمد علی خان صاحب مرحوم مغفور ہجرت کر کے قادیان آ گئے۔ انہیں سکولوں کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ انہوں نے ملیر کوٹلے میں بھی ایک مڈل سکول قائم کیا ہوا تھا۔ انہوں نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ اس سکول کو مڈل کر دیا جائے" (یعنی قادیان والے کو)۔ "میں وہاں سکول کو بند کر دوں گا اور وہ امداد یہاں دے دیا کروں گا۔ چنانچہ قادیان میں مڈل سکول ہو گیا۔ پھر بعد میں کچھ نواب محمد علی صاحب اور کچھ حضرت خلیفۃ المسیح الاول رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے شوق کی وجہ سے فیصلہ کیا گیا کہ یہاں ہائی سکول کھولا جائے۔ چنانچہ پھر یہاں ہائی سکول کھول دیا گیا۔ لیکن یہ ہائی سکول پہلے نام کا تھا کیونکہ اکثر پڑھانے والے انٹرنس پاس تھے اور بعض شاید انٹرنس فیل بھی لیکن بہرحال ہائی سکول کا نام ہو گیا۔ زیادہ خرچ کرنے کی جماعت میں طاقت نہ تھی اور نہ ہی خیال پیدا ہو سکتا تھا لیکن آخر یہ

وقت بھی آگیا کہ گورنمنٹ نے اس بات پر خاص زور دینا شروع کیا کہ سکول اور بورڈنگ بنائے جائیں نیز یہ کہ سکول اور بورڈنگ بنانے والوں کو امداد دی جائے گی۔ چنانچہ حضرت خلیفۃ المسیح الاول کے عہد خلافت میں یہ سکول بھی بنا اور بورڈنگ بھی۔ پھر آہستہ آہستہ عملے میں اصلاح شروع ہوئی اور طلباء بڑھنے لگے۔ پہلے ڈیڑھ سو تھے، پھر تین چار سو ہوئے، پھر سات آٹھ سو ہو گئے اور مدتوں تک یہ تعداد رہی۔ اب تین چار سالوں میں آٹھ سو سے ایک دم ترقی کر کے سکول کے لڑکوں کی تعداد سترہ سو ہو گئی ہے اور میں نے سنا ہے کہ ہزار سے اوپر لڑکیاں ہو گئی ہیں۔ گویا لڑکے اور لڑکیاں ملا کر تقریباً تین ہزار بن جاتی ہیں۔ پھر مدرسہ احمدیہ بھی قائم ہوا اور کالج بھی۔ خدا تعالیٰ کے فضل سے مدرسہ احمدیہ میں بھی میری گزشتہ تحریک کے تحت طلباء بڑھنے شروع ہوئے ہیں اور پچیس تیس طلباء ہر سال آنے شروع ہو گئے ہیں۔ اگر یہ سلسلہ بڑھتا رہا تو مدرسہ احمدیہ اور کالج کے طلباء کی تعداد بھی چھ سات سو تک یا اس سے بھی زیادہ تک پہنچ جائے گی اور اس طرح ہمیں سو مبلغ ہر سال مل جائے گا۔ جب تک ہم اتنے مبلغین ہر سال حاصل نہ کریں ہم دنیا میں صحیح طور پر کام نہیں کر سکتے۔" (یعنی یہ کم از کم تھا۔ اب تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سینکڑوں میں ہو رہے ہیں۔)"1944ء میں مَیں نے کالج کی بنیاد رکھی تھی کیونکہ اب وقت ہو گیا تھا کہ ہماری آئندہ نسل کی اعلیٰ تعلیم ہمارے ہاتھ میں ہو۔ ایک زمانہ وہ تھا کہ ہماری جماعت میں بہت چھوٹے عہدوں اور بہت چھوٹی آمدنیوں والے لوگ شامل تھے۔" (بیشک اس سے جماعت کی تاریخ کا بھی پتا لگتا ہے کہ)"بیشک کچھ لوگ کالجوں میں سے احمدی ہو کر جماعت میں شامل ہوئے لیکن وہ حادثے کے طور پر سمجھے جاتے تھے ورنہ اعلیٰ مرتبوں والے اور اعلیٰ آمدنیوں والے لوگ ہماری جماعت میں نہیں تھے سوائے چند محدود لوگوں کے۔ ایک تاجر سیٹھ عبد الرحمن حاجی اللہ رکھا صاحب مدراسی تھے لیکن ان کی تجارت ٹوٹ گئی۔ ان کے بعد شیخ رحمت اللہ صاحب ہوئے۔ ان کے سوا کوئی بھی بڑا تاجر ہماری جماعت میں نہیں تھا اور نہ کوئی بڑا عہدیدار ہماری جماعت میں شامل تھا یہاں تک کہ حضرت خلیفہ اول ایک دفعہ مجھے فرمانے لگے۔ دیکھو میاں قرآن کریم اور احادیث سے پتا لگتا ہے کہ انبیاء پر ابتداء میں بڑے لوگ ایمان نہیں لاتے۔ چنانچہ یہ بھی حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صداقت کا ایک ثبوت ہے کہ ہماری جماعت میں کوئی بڑا آدمی شامل نہیں۔ چنانچہ کوئی ای اے سی ہماری جماعت میں داخل نہیں۔ گویا اس وقت کے لحاظ سے ای اے سی" (یہ گورنمنٹ سروس کے جو اسسٹنٹ کمشنر ہیں ان کو شاید کہتے ہیں۔)"بہت بڑا آدمی ہوتا تھا۔" حضرت مصلح موعود فرماتے ہیں "مگر دیکھو اب کئی ای اے سی یہاں گلیوں میں پھرتے ہیں اور ان کی طرف کوئی آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتا۔ لیکن ایک وقت میں اعلیٰ طبقے کے لوگوں کا ہماری جماعت میں اس قدر فقدان تھا کہ حضرت خلیفہ اول نے فرمایا کہ ہماری جماعت میں کوئی بڑا آدمی داخل نہیں۔ چنانچہ کوئی ای اے سی ہماری جماعت میں داخل نہیں۔ گویا اس وقت کے لحاظ سے ہماری جماعت ای اے سی کو بھی برداشت نہیں کر سکتی تھی۔"

(خطبات محمود جلد 27 صفحہ 150 تا 153)

سوشل میڈیا پر سخت زبان کے استعمال کی ممانعت

ارشاد سیّدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہِ العزیز

"بعض لوگوں کے بارے میں مجھے شکایات ملتی ہیں کہ ان کو ایسی مشکلات بھی نہیں، یہاں بیٹھے ہوئے ہیں اور یہاں ان کو تبلیغ کے مواقع بھی میسر آتے ہیں۔ وہ بعض دفعہ براہ راست تبلیغ کرتے ہوئے بعض لوگوں کو یا سوشل میڈیا پر مولویوں کو تبلیغ کرتے ہوئے یا بعض دفعہ ان سے مناظرہ کرتے ہوئے ایسی سخت زبان استعمال کرتے ہیں جو احمدی کے شایان شان نہیں ہے۔ اور بعض لکھنے والے مجھے لکھتے ہیں کہ احمدیوں کے منہ سے ایسی گندی گالیاں اور ایسی گفتگو سن کر بڑی پریشانی ہوتی ہے جو ان لوگوں کے منہ سے اپنے مخالفین کے لئے، غیر احمدی مولویوں کے لئے یا جس سے مناظرہ کر رہے ہوتے ہیں اس کے لئے نکل رہی ہوتی ہیں۔ بہرحال یہ باتیں کسی طرح بھی ایک احمدی کو زیب نہیں دیتیں۔ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے کہ یہ کہاں تک سچ ہے۔ مَیں نے خود تو نہیں دیکھا لیکن مجھے لکھنے والوں نے لکھا کہ جب ایسی گفتگو ہوتی ہے تو احمدیوں کے مقابلہ میں غیر احمدیوں کی زبان زیادہ نرم ہوتی ہے۔

اگر تو یہ بات سچ ہے تو پھر مَیں ایسے احمدیوں سے کہوں گا کہ بہتر ہے وہ تبلیغ نہ کیا کریں۔ یہ تبلیغ ان کو اللہ تعالیٰ کا قرب دلانے کے بجائے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب بنانے والی ہو گی۔ جیسا کہ حدیث میں بیان ہوا ہے اللہ تعالیٰ کو تو صبر اور غصہ کا گھونٹ پینے والا پسند ہے۔ ہم تو اعلان ہی یہ کرتے ہیں کہ غصہ آتا ہی انہیں ہے جن کے پاس کوئی دلیل نہ ہو۔ پس اگر ہمارے پاس دلیل ہے تو غصہ کا پھر کوئی جواز نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس بات کو ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ:

"دیکھو مَیں اس امر کے لئے مامور ہوں کہ تمہیں بار بار ہدایت کروں کہ ہر قسم کے فساد اور ہنگامہ کی جگہوں سے بچتے رہو اور گالیاں سن کر بھی صبر کرو۔ بدی کا جواب نیکی سے دو اور کوئی فساد کرنے پر آمادہ ہو تو بہتر ہے کہ تم ایسی جگہ سے کھسک جاؤ اور نرمی سے جواب دو۔ بارہا ایسا ہوتا ہے کہ ایک شخص بڑے جوش کے ساتھ مخالفت کرتا ہے اور مخالفت میں وہ طریق اختیار کرتا ہے جو مفسدانہ طریق ہو جس سے سننے والوں میں اشتعال کی تحریک ہو۔ لیکن جب سامنے سے نرم جواب ملتا ہے اور گالیوں کا مقابلہ نہیں کیا جاتا تو خود اسے شرم آ جاتی ہے"۔ (تو ہمارے لئے تو یہ تعلیم ہے کہ گالیاں بھی ہیں تو نرمی سے جواب دو۔) فرمایا کہ "خود اسے شرم آ جاتی ہے اور وہ اپنی حرکت پر نادم اور پشیمان ہونے لگتا ہے۔"

(کئی دفعہ ایسے واقعات ہوئے ہیں کہ جن مخالفین کی نیک فطرت تھی ان کو شرم آئی۔ فرمایا کہ:

"مَیں تمہیں سچ سچ کہتا ہوں کہ صبر کو ہاتھ سے نہ دو۔ صبر کا ہتھیار ایسا ہے کہ توپوں سے وہ کام نہیں نکلتا جو صبر سے نکلتا ہے۔

صبر ہی ہے جو دلوں کو فتح کرلیتا ہے۔ یقیناً یاد رکھو کہ مجھے بہت ہی رنج ہوتا ہے جب مَیں یہ سنتا ہوں کہ فلاں شخص اس جماعت کا ہو کر کسی سے لڑا ہے۔ اس طریق کو مَیں ہر گز پسند نہیں کرتا اور خدا تعالیٰ بھی نہیں چاہتا کہ وہ جماعت جو دنیا میں ایک نمونہ ٹھہرے گی وہ ایسی راہ اختیار کرے جو تقویٰ کی راہ نہیں ہے۔ بلکہ مَیں تمہیں یہ بھی بتا دیتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ یہاں تک اس امر کی تائید کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس جماعت میں ہو کر صبر اور برداشت سے کام نہیں لیتا تو وہ یاد رکھے کہ وہ اس جماعت میں داخل نہیں ہے"۔ فرمایا کہ "نہایت کار اشتعال اور جوش کی یہ وجہ ہو سکتی ہے" اگر کوئی بہت زیادہ غصہ دلائے اور جس سے جوش پیدا ہو یا اشتعال پیدا ہو تو اس کی یہی وجہ ہو سکتی ہے "کہ مجھے گندی گالیاں دی جاتی ہیں۔ تو اس معاملے کو خدا کے سپرد کر دو۔ تم اس کا فیصلہ نہیں کر سکتے۔ میرا معاملہ خدا پر چھوڑ دو۔ تم ان گالیوں کو سن کر بھی صبر اور برداشت سے کام لو۔ تمہیں کیا معلوم ہے کہ میں ان لوگوں سے کس قدر گالیاں سنتا ہوں" خطبہ جمعہ مورخہ 12 مئی 2017

https://www.alislam.org/urdu/khutba/2017-05-12/

میرے دوست اور میرے محسن۔چند یادیں

محترم چوہدری محمد کولمبس خاں صاحب، مدیر اعلیٰ المنار، جو تن تنہا المنار کو بصد خوبی باقاعدگی سے چلا رہے ہیں، کے ارشاد کہ میں بھی کچھ لکھوں، پر توجہ نہ کرنا، خاکسار کے لئے بڑا امتحان ہوتا ہے۔ اور پھر سوچتا ہوں کہ کیا لکھوں۔ یہ بات بھی حقیقت ہے کہ اس عمر میں، جب آدمی، فارغ ہوتا ہے تو دل چاہتا ہے دوستوں سے باتیں کر کے پرانی یادیں تازہ کی جائیں۔ اسی خیال سے میں تعمیل ارشاد کے لئے کچھ لکھ رہا ہوں۔

میں 1953 میں تعلیم لاسلام کالج میں داخل ہوا۔ اس وقت کالج لاہور میں تھا۔ پہلے روز سے اساتذہ کرام کے احسانات کا سلسلہ شروع ہو گیا جو نہ صرف یہ کہ کبھی ختم نہ ہوا بلکہ روز بروز بڑھتا ہی گیا۔ میری صحت کی کمزوری دیکھ کر پرنسپل حضرت مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ نے محترم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب کو فرمایا کہ حمید کو ملٹی وٹامن کھلانا شروع کریں۔ اور مجھے ہوسٹل میں اچھے طلباء کے ساتھ کمرہ الاٹ کریں۔ چنانچہ مجھے برادرم محترم چوہدری محمد سلطان اکبر کے ساتھ کمرہ دیا گیا۔ چوہدری محمد سلطان اکبر صاحب اس وقت جامعہ احمدیہ احمد نگر سے مولوی فاضل کا امتحان پاس کر چکے تھے۔ اور بڑے دینی عالم اور متقی انسان تھے۔ ہماری گہری دوستی اور برادرانہ محبت کا آغاز ہوا اور کئی سال بعد ایم اے کر کے ہم ربوہ کالج میں رفیق کار بن گئے۔ ہمارا برادرانہ رشتہ الحمدللہ ابھی بھی قائم ہے اگرچہ جسمانی فاصلوں کی وجہ سے ملاقات بہت کم ہو گئی ہے۔ برادرم سلطان اکبر کے علاوہ میرے دوسرے دوست محمد ظفر قریشی تھے۔ ظفر کے ساتھ بھائیوں جیسی محبت کا رشتہ تعلیم الاسلام ہائی سکول کی ساتویں آٹھویں جماعت سے قائم ہو گیا تھا۔ اس وقت ہائی سکول چنیوٹ میں تھا اور ہمارے محسن بزرگ حضرت حافظ سید محمود اللہ شاہ رضی اللہ ہمارے ہیڈ ماسٹر تھے۔ حضرت شاہ صاحب کے احسانات یاد کر کے میں اب بھی اشکبار ہو جاتا ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے 52 سال کی عمر میں اپنے پاس بلا لیا۔ ان کے زمانہ میں تعلیم الاسلام ہائی سکول کے طالب علم مکرم منور احمد چونڈہ میٹرک کے امتحان میں پنجاب یونیورسٹی میں اول آئے۔ یاد رہے کہ اس وقت پنجاب یونیورسٹی ہی میٹرک کا امتحان لیتی تھی۔ میں اپنے دوست ظفر کا ذکر کر رہا تھا۔ ان دنوں وہ محمد ظفر بریلوی کہلاتے تھے۔ اب وہ ڈاکٹر محمد ظفر قریشی ہیں اور امریکہ کے شہر Tucson میں اپنی امریکن اہلیہ کے ساتھ ریٹائرمنٹ کی زندگی گزار رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قدر مالی وسعت عطا کی کے انہیں Tucson کی جماعت کہ لئے ایک وسیع اور خوبصورت مسجد تعمیر کروانے کی توفیق نصیب ہوئی۔ ہمارا باہمی رابطہ کبھی منقطع نہیں ہوا۔ خاکسار دو دفعہ Tucson جا کر ان کا دیدار کر چکا ہے اور ڈاکٹر صاحب بھی کئی دفعہ صرف خاکسار کی محبت میں جرمنی تشریف لا چکے ہیں۔

ابھی تک تو خاکسار نے اپنی ذاتی یادوں کا ذکر کیا ہے جو میرے آج کے قارئین کے لئے کسی قسم کی دلچسپی نہیں رکھتے۔ اب میں اختصار کے ساتھ ان محسنین کا ذکر کرتا ہوں اور میرے اور آپ میں سے بہتوں کے بھی محسن ہیں یعنی کالج کے زمانہ کے ہمارے اساتذہ۔ میری خوش قسمتی ہے کہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد مجھے اپنے محسن اساتذہ کے ساتھ رفیق کار بن جانے سعادت حاصل ہو گئی۔ اس وجہ سے مجھے آپ میں سے بہتوں سے زیادہ اپنے محترم اساتذہ کی قربت نصیب ہوئی۔ حق تو یہ ہے کہ میں ان میں سے ہر ایک کا تفصیلی ذکر کر کے TICOSA کے بنیادی مقاصد پورے کرنے میں اپنا حصہ ڈالوں۔ مگر میں لہو لگا کر ہی شہیدوں میں شامل ہو

سکتا ہوں۔ مجھ میں اتنی اہلیت نہیں ہے کہ اس کا حق ادا کر سکوں۔

کالج کا ذکر تو حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے شروع ہوتا ہے جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اعلیٰ تعلیم کا ایک ادارہ مسلمانوں کے لئے اس وقت تحریک فرمائی جب مسلمان علماء مغربی تعلیم کے اس قدر دشمن تھے کہ کسی شاعر نے ان کی ترجمانی اس شعر میں کی کہ:

؎ یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

اگر چہ کالج کی بنیاد تو صدی کے آغاز میں ہی رکھ دی گئی مگر وسائل کی کمی کے باعث اسے بند کرنا پڑا اور پھر 1944 حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے اولوالعزم موعود فرزندؓ نے مامور من اللہ والد کی خواہش کو پوار کرتے ہوئے قادیان میں کالج کا از سرِ نو اجرا کیا اور اپنے جلیل القدر فرزند حضرت صاحبزدہ مرزا ناصر احمد صاحب رحمہ اللہ کو اس کا سربراہ مقرر فرمایا۔ حضرت صاحبزادہ صاحب آکسفورڈ یونیورسٹی سے ایم اے کر چکے تھے اور ان سے بہتر کوئی دوسرا اس عظیم ادارے کی سربراہی کا اہل نہیں تھا۔ حضور نے ایک دفعہ فرمایا کہ ,,میں نے اس کالج کو اپنے بچوں کی طرح پالا ہے۔"

میرے علاوہ آپ سب اس بات کے گواہ ہیں کی حضور کی یہ بات حرف بحرف مبنی بر حقیقت ہے۔ کالج کو پہلے ہی چند سالوں میں دو دفعہ ہجرت کرنی پڑی۔ اجراء کے تین سال بعد ہندوستان تقسیم ہو گیا اور کالج مع اساتذہ کرام خالی ہاتھ لاہور منتقل ہوا۔ پہلے ایک اصطبل میں جاری ہوا اور کچھ عرصہ بعد ڈی۔ اے۔ وی کالج کی تباہ شدہ عمارت مل گئی جیسے دن رات محنت کرکے پرنسپل صاحب نے کالج کو لاہور کے صف اول کے اداروں میں لا کھڑا کیا، تعلیمی لحاظ سے بھی اور اور سپورٹس میں بھی۔ محترم پروفیسر چوہدری محمد علی صاحب مرحوم کی سربراہی میں کالج کی روئنگ ٹیم سالہا سال تک یونیورسٹی چیمپئن رہی۔ ابھی کالج اپنے پاؤں پر دوبارہ کھڑا ہی ہوا تھا کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ کے حکم پر اسے ربوہ شفٹ کر دیا گیا۔ پرنسپل صاحب کے لئے تو نیا چیلنج تھا جسے انہوں نے اولوالعزمی سے قبول کیا اور دن رات محنت کرکے اسے پنجاب یونیورسٹی کے صفِ اول کے اداروں میں کھڑا کر دیا۔ کالج کا ربوہ منتقل ہو جانا ارد گرد کے دیہاتوں، قصبوں اور شہروں کے لئے بالعموم اور ربوہ کے غریب باسیوں کے لئے بالخصوص خداداد نعمت بن گیا۔ کالج کے اعلیٰ تعلیمی معیار اور نیک نامی کی بدولت پاکستان کے ہر کونے سے طلباء آتے تھے بلکہ افریقہ کے ممالک سے بھی۔ کالج کے بہترین پھلوں میں سے ایک محترم ملک لال خان صاحب بھی ہیں۔ جو جب داخل ہوئے تو احمدی نہ تھے۔ مگر اس قدر سعید الفطرت اور شریف النفس نوجوان تھے کہ غیر احمدی طلباء نے ان کو اپنی الگ نماز کے لئے اپنا امام الصلوۃ منتخب کر لیا۔ محترم ملک لال خان صاحب انجینئر، اللہ تعالیٰ کے فضل سے جماعت احمدیہ کینیڈا کے نیشنل امیر ہیں۔ یہاں میں اس بات کا بھی ذکر کر دوں کہ حضرت مصلح موعود رضی اللہ تعالیٰ نے کالج شفٹ ہونے پر اپنے افتتاحی خطاب میں فرمایا تھا:

"چونکہ اس کالج کا نام "تعلیم الاسلام" کالج ہے۔۔۔ یہاں فرقہ بندی کی کوئی بات نہیں تم کسی فرقہ کے مخصوص عقائد پر عمل کرو اور دوسرے لوگوں کو بتاؤ کہ کالج والے ہمیں جرأت دلاتے ہیں کہ ہم اپنے اپنے فرقہ کے عقائد پر عمل کریں اگر ہم حنفیّت پر عمل کرتے ہیں تو وہ اس سے نہیں روکتے۔ اگر ہم شیعیّت پر عمل کرتے ہیں تو وہ اس میں مخل نہیں ہوتے۔ اگر ہم دیوبندی یا بریلوی ہیں تب بھی وہ ہمارے

مذہبی عقائد میں دخل اندازی نہیں کرتے، اس سے ملک میں عمل کی سپرٹ پیدا ہو گی اور پاکستان سے سستی کی لعنت دور ہو گی۔

"(انوار العلوم جلد 24 صفحہ 483)

جیسا میں نے اوپر ذکر کیا ہے کالج کے ربوہ آنے کی بدولت بہت سے غریب والدین اپنے بچوں کو اعلیٰ تعلیم دلا سکے۔ کالج کی اسی خدمت کو مد نظر رکھتے ہوئے جرمنی میں جب تعلیم الاسلام اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن قائم کی گئی تو اس کا بنیادی مقصد یہی تھا کہ اس احسان کے شکرانہ کے طور پر سابق طلباء حسبِ توفیق ایک سکالرشپ فنڈ قائم کریں جس سے آج کے ایسے طلباء کی مالی امداد کی جا ئے جو بوجہ مالی کمزوری اعلیٰ تعلیم کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے۔

حق تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے محسن اساتذہ کی قربانیوں کا تفصیل سے ذکر خیر کروں، مگر اس مضمون کی طوالت کے ڈر سے میں دعا کے لئے ان اساتذہ نے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں جن میں سے اکثریت کو آپ میں سے بہت دوست بخوبی جانتے ہوں گے۔ سب سے پہلے تو کالج کے ابتدائی وائس پرنسپل اور انگریزی کے استاد پروفیسر اخوند محمد عبدالقادر کے نام سے شروع کرتا ہوں۔ پھر پروفیسر میاں عطا الرحمان (فزکس) پروفیسر صوفی بشارت الرحمان (عربی) پروفیسر چوہدری محمد علی (فلاسفی) پروفیسر حبیب اللہ خان (کیمسٹری) پروفیسر ڈاکٹر سید سلطان محمود شاہد (کیمسٹری) پروفیسر میر محمد یعقوب (ریاضی) پروفیسر محمد صفدر (ریاضی) پروفیسر سید عباس بن عبدالقادر (ہسٹری) پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد خاں (فزکس) پروفیسر شیخ محبوب عالم خالد (اردو) پروفیسر فیض الرحمان فیضی (اکنامکس) پروفیسر محمد ابراہیم ناصر (ریاضی) پروفیسر چوہدری عطاء اللہ (فارسی) پروفیسر مرزا مجید احمد (ہسٹری) پروفیسر ڈاکٹر نصیر احمد بشیر (بیالوجی) مولانا ارجمند خاں (دینیات) مولانا غلام احمد بدوملہی (دینیات) مولانا ابوالعطاء جالندھری (دینیات) مولانا ملک محمد عبداللہ (دینیات) پروفیسر مبارک احمد انصاری (کیمسٹری) پروفیسر مسعود احمد عاطف (فزکس) پروفیسر چوہدری محفوظ الرحمان (اسلامات و سپورٹس، و لائبریرین) پروفیسر چوہدری محمد شریف خالد (انگریزی) پروفیسر ظفر احمد وینس (اکنامکس) پروفیسر محمد لطیف (ریاضی) پروفیسر مرزا خورشید احمد (انگریزی) پروفیسر چوہدری حمید اللہ (ریاضی) پروفیسر رفیق احمد ثاقب (کیمسٹری) پرو فیسر ڈاکٹر محمد شریف خاں (بیالوجی) پروفیسر عبدالشکور اسلم (بیالوجی) پروفیسر حبیب الرحمان (بیالوجی) پروفیسر چوہدری حمید اللہ ظفر (ہسٹری) پروفیسر ڈاکٹر ناصر احمد پروازی (اردو) پروفیسر مرزا انس احمد (فلاسفی) پروفیسر چوہدری محمد سلطان اکبر (عربی) پروفیسر محمد اسلم صابر (عربی) پروفیسر سعود احمد خان (ہسٹری) پروفیسر محمد احمد حیدر آبادی (ڈی۔پی۔ای) پروفیسر سعید اللہ خان (شماریات) پروفیسر مبارک احمد عابد (اردو)، پروفیسر عبدالجلیل صادق (انگریزی) پروفیسر رشید احمد فوزی (ہسٹری)، پروفیسر انور حسن (اسلامیات)

یہ نام میں نے صرف اپنی یادداشت سے لکھے ہیں۔ اس لئے ممکن ہے کئی بھول گیا ہوں۔ یہ نام اس لئے لکھے ہیں کہ یہ تمام اساتذہ ہمارے محسن ہیں اور ہماری دعاؤں کے مستحق۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اگلی اقساط میں ان میں سے بعض کی انفرادی خدمات کی یادوں پر مبنی ایک الگ مضمون لکھنے کا ارادہ ہے۔

خاکسار حمید احمد چوہدری

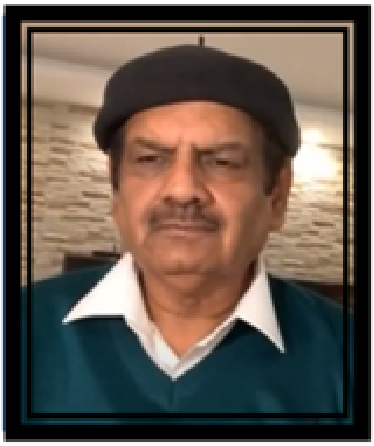

پیغام صدر

عزیز برادران! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جون 2007 میں حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی منظوری سے نظارت تعلیم کی معرفت دس طلباء کی امداد کے لئے وظائف کی سکیم شروع گئی تھی اور ڈیڑھ لاکھ روپیہ سالانہ نظارت تعلیم کو بھجوایا جاتا رہا پھر 2011 میں یہ رقم دوگنی ہوگئی قربانی کا سلسلہ چلتا رہا اور ہر سال ترقی ہوتی رہی اللہ تعالیٰ کے فضل سے 2020 اور 2021 میں ہر سال اور منصوبوں کے علاوہ تین ملین سے بھی زیادہ رقم سکالر شپ فنڈ میں بھجوائی گئی اس سال 2022 میں اس سال کی پہلی قسط €10,000 بھجوائے گئے ہیں جو اکیس لاکھ چالیس ہزار روپے بنتی ہے یہ سب اللہ تعالیٰ فضل اور حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی دعاؤں اور آپ کے تعاون سے ممکن ہوا اللہ تعالیٰ تمام قربانی کرنے والے دوستوں کی اس قربانی کو قبول فرمائے اور ان نفوس اور اموال میں برکت دے۔

کرونا کی وجہ سے گزشتہ دو سال بہت مشکل سال تھے کاروبار اور مالی مشکلات کا سامنا بھی دوستوں کو کرنا پڑا مگر الحمد اللہ دوستوں کا تعاون مثالی تھا اسی طرح سکول فنڈ میں بہت سے وعدہ جات ہیں اس کی ادئیگی کی طرف توجہ کی ضرورت ہے اس میں مکرم سعید ناز صاحب نے اپنے بچوں کو بھی شامل کرکے €1000 کا وعدہ کیا تھا بلکہ ایک حصہ ادئیگی بھی کردی ہے اسی طرح مکرم محمود سلیمان صاحب نے بھی €1000 کا وعدہ کیا تھا اور ایک حصہ کی ادائیگی بھی کردی ہے مکرم داؤد احمد چیمہ صاحب اور عمران ذکاء صاحب کی طرف سے بھی €1000 کے وعدہ جات موصول ہوئے ہیں اور دوستوں کی طرف سے وعدہ جات ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضلوں سے نوازے۔ آمین۔

جیسا کہ دوستوں کو معلوم ہے تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کی مجلس عاملہ کے انتخاب میں صرف وہ اولڈ سٹوڈنٹس حصہ لے سکیں گے جو حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے فیصلہ اور ارشاد کے مطابق ایسوسی ایشن کی سالانہ ممبر شپ €20 2020 سے باقاعدہ ادا کرتے رہے ہیں تجنید کو مکمل کرنے کے لئے اپنی رسید کی کاپی مکرم سیکرٹری مال جنرل سیکرٹری یا صدر ایسوسی ایشن کو بھجوادیں۔

ماہ جون میں دو فنکشن ہوئے ہیں سائیکل ٹور تھا جو مجلس انصار اللہ کے ساتھ ہوا اور تقریب رونمائی کتاب "سیوت ایشیا" حضرت چوہدری سر ظفر اللہ خان صاحبؓ منعقد ہوئی یہ کتاب مکرم رانا عبد الرازق خاں صاحب آف لندن نے مرتبہ ہے یہ دونوں پروگرام بہت کامیاب رہے۔ تفصیلی رپورٹ اس شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں حضور اقدس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی رہنمائی میں آپ کے منشاء کے مطابق کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

خاکسار

عبد الغفور ڈوگر

صدر۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

شعبہ جنرل سیکرٹری

اتوار 29 مئی 2022 کو تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کا سالِ رواں کا Tour Bike دعا کے ساتھ شروع ہوا۔ محترم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب نے دعا کروائی۔ ناشتہ کے بعد تقریباً آٹھ کلو میٹر کا فاصلہ طے کرنے پر اس کا اختتام ہوا ۔ مکرم برادرم محمد اسحاق اطہر صاحب Dietzenbach ، مکرم شکیل احمد صاحب Dreieich اور مکرم رفیق الرحمان صاحب Groß-Gerau سے لمبا سفر طے کر کے اس پروگرام میں شرکت کے لئے تشریف لائے۔ محترم عطاء العزیز صاحب اور مکرم عبد الرازاق ڈوگر صاحب کے تعاون سے ناشتہ کا انتظام کیا گیا تھا۔ محترم صدر ایسوسی ایشن عبد الغفور ڈوگر صاحب کی طرف سے سوجی کا حلوہ بھی پیش کیا گیا جو بہت پسند کیا گیا تمام ممبرزان کے مشکور ہیں جن کے تعاون سے یہ پروگرام کامیاب ہوا۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء

خاکسار منصور احمد شیخ

جنرل سیکرٹری۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

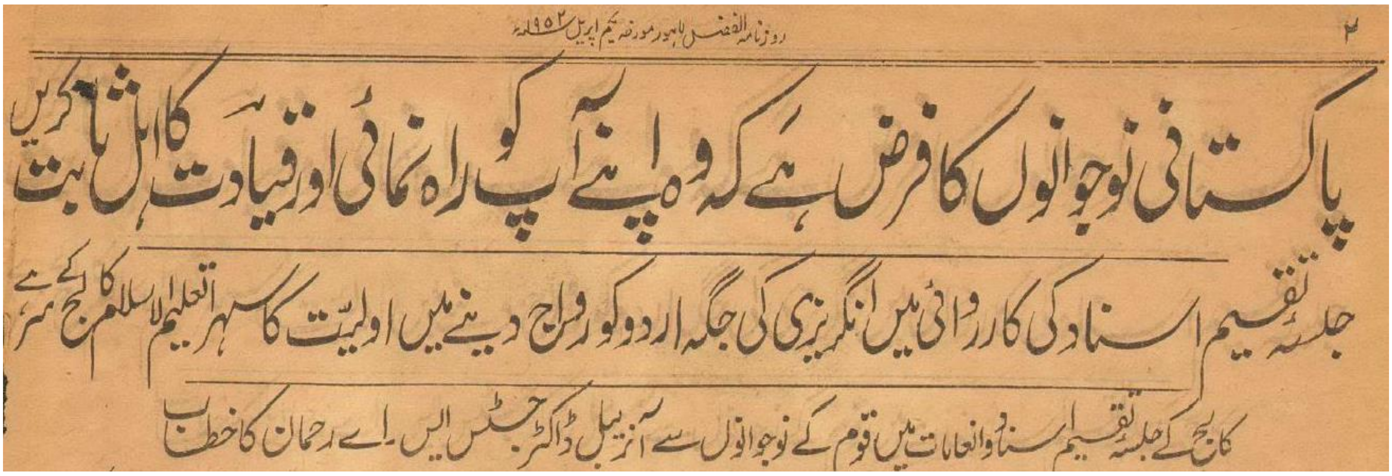

روزنامہ الفضل لاہور مورخہ یکم اپریل ۱۹۵۲ء ۲

پاکستانی نوجوانوں کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو راہ نمائی اور قیادت کا اہل ثابت کریں

جلسہ تقسیم اسناد کی کارروائی میں انگریزی کی جگہ اردو کو رواج دینے میں اولیت کا سہرا تعلیم الاسلام کالج کے سر ہے

کالج کے جلسہ تقسیم اسناد و انعامات میں قوم کے نوجوانوں سے آنریبل ڈاکٹر جسٹس ایس۔ اے رحمان کا خطاب

Majlis
Ansarullah

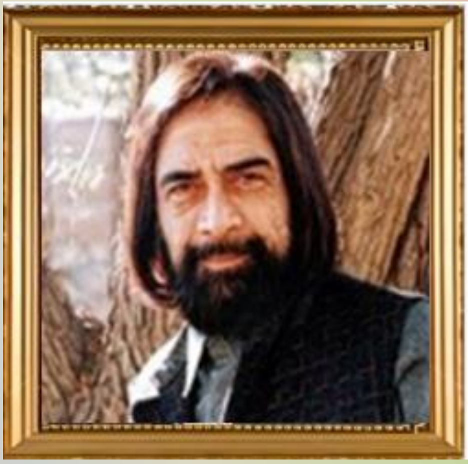

ہم نے کھلنے نہ دیا بے سر و سامانی کو
کہاں لے جائیں مگر شہر کی ویرانی کو

صرف گفتار سے زخموں کا رفو چاہتے ہیں
یہ سیاست ہے تو پھر کیا کہیں نادانی کو

کوئی تقسیم نئی کر کے چلا جاتا ہے
جو بھی آتا ہے مرے گھر کی نگہبانی کو

اب کہاں جاؤں کہ گھر میں بھی ہوں دشمن اپنا
اور باہر مرا دشمن ہے نگہبانی کو

بے حسی وہ ہے کہ کرتا نہیں انساں محسوس
اپنی ہی روح میں آئی ہوئی طغیانی کو

آج بھی اس کو فراز آج بھی عالی ہے وہی
وہی سجدہ جو کرے وقت کی سلطانی کو

آج یوسف پہ اگر وقت یہ لائے ہو تو کیا
کل تمہیں تخت بھی دو گے اسی زندانی کو

صبح کھلنے کی ہو یا شام بکھر جانے کی
ہم نے خوشبو ہی کیا اپنی پریشانی کو

وہ بھی ہر آن نیا میری محبت بھی نئی
جلوۂ حسن کشش ہے مری حیرانی کو

کوزۂ حرف میں لایا ہوں تمہاری خاطر
روح پر اترے ہوئے ایک عجب پانی کو

(عبید اللہ علیم)

زندگی کے مدار میں چپ ہوں
شورِ لیل و نہار میں چپ ہوں

لوگ زندہ سمجھ رہے ہیں مجھے
اور میں اپنے مزار میں چپ ہوں

گرد اڑاتی ہے مجھ میں چیخ کوئی
میں صدا کے غبار میں چپ ہوں

روندنے والے کیا سنیں گے مجھے
خاک ہوں، رہگزار میں چپ ہوں

سر پٹختی ہیں اس میں آوازیں
کیا یونہی کوئے یار میں چپ ہوں

جبر کے اختیار پر راضی
عشق کے اقتدار میں چپ ہوں

کیا ضرورت ہے بولنے کی مجھے
آگہی کے حصار میں چپ ہوں

یورشِ وقت کے نتیجے تک
خواب ہوں خواب زار میں چپ ہوں

کب مجھے اذنِ گفتگو ہو جمیل
بس اسی انتظار میں چپ ہوں

جمیل الرحمن

تقریب رونمائی کتاب "سپوتِ ایشیا"

(کتاب مرتبہ مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب۔ لندن۔ یوکے)

مورخہ 30 مئی 2022 کو تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی کے زیر اہتمام حضرت چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب رضی اللہ عنہ کے متعلق اپنوں اور غیروں کے مضامین پر مشتمل ایک ضخیم کتاب "سپوت ایشیا" مرتبہ مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب۔ لندن۔ کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی جس کا آغاز تلاوت قرآن مجید سے ہوا جو مکرم محمد افضل صاحب نے کی۔

پروگرام کے آغاز میں چوہدری عبدالغفور ڈوگر صاحب۔ صدر ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن جرمنی نے مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب جنرل سیکریٹری ٹی آئی کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کا تعارف کروایا اور کتاب سپوت ایشیا پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔ چوہدری حمید اللہ صاحب ظفرؔ صاحب نے اس کتاب پر اپنا اظہار خیال کیا۔ بعدہٗ کتاب مذکورہ پر پر مکرم مولانا حیدر علی ظفر صاحب، مکرم پروفیسر چوہدری حمید احمد صاحب موجود تو تھے مگر طبیعت ناساز تھی اسلئے آپ کا تبصرہ مکرم چوہدری حمید اللہ ظفرؔ نے پڑھا۔، مکرم پروفیسر ڈاکٹر عبدالکریم خالدؔ صاحب پاکستان تھے ان کا تبصرہ مکرم عثمان خان صاحب نے پڑھا۔ مکرم چوہدری کولمبس خان صاحب مہدی آباد میں تھے ان کا تبصرہ مکرم محمد افضل صاحب نے پڑھا۔

پروگرام کا دوسرا حصہ مشاعرہ تھا جس کا آغاز کلام حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ہوا جو مکرم مرزا منصور احمد صاحب نے ترنم سے سنایا اسکے بعد معروف شعراء نے مکرم رانا عبدالرزاق خاں صاحب کی زیر نظامت اپنا اپنا کلام سنا کر خوب داد وصول کی جن شعراء نے پروگرام میں حصہ لیا ان کے اسماء درج ذیل ہیں: مکرم محمد اشرف صاحب– مکرم عبدالروٴف صاحب۔ مکرم چوہدری مبشر احمد کاہلوں صاحب– مکرم عبدالحمید رامہ صاحب– مکرم چوہدری حمید اللہ ظفرؔ صاحب۔ مکرم ملک صفوان احمد صاحب– مکرم ڈاکٹر وسیم احمد صاحب۔ مکرم چوہدری محمد شریف خالدؔ صاحب اور مکرم رانا عبدالرزاق خاں ناظم مشاعرہ نے اپنا کلام پیش کیا۔

حاضرین کے لئے ریفرشمنٹ کا بہترین انتظام موجود تھا مکرم عبدالشکور بھٹی صاحب کو اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے جنھوں نے بھرپور تعاون فرمایا۔

اسی طرح سیکرٹری ضیافت عطاء العزیز صابرؔ صاحب اور آپکی ٹیم میں مکرم حمید الدین امینی صاحب اور دوسرے دوستوں نے بڑھ چڑھ کر تعاون پیش کیا۔

ریکارڈنگ کے لئے سیکرٹری سمعی وبصری مکرم محمد افضل صاحب نے انتظام کیا۔ مکرم چوہدری حمید اللہ ظفر صاحب نے تمام انتظامات اور اس پروگرام کو کامیاب بنانے کے لئے بہت تعاون کیا۔ اللہ تعالیٰ تمام دوستوں کو جزائے خیر دے۔ آمین۔ یہ آپ سب ہماری دِلی دعاوٴں کے مستحق ہیں۔

نیشنل شعبہ سمعی وبصری جماعت احمدیہ جرمنی سے MTA جرمن سٹوڈیو کی ٹیم تمام پروگرام کی ریکارڈنگ کے لئے مصروف رہی جس کے لئے ہم ان کے مشکور ہیں۔ فجزاھم اللہ احسن الجزاء۔ نماز عشاء کی ادائیگی کے ساتھ یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔

خاکسار

شیخ منصور احمد

جنرل سیکرٹری۔ تعلیم الاسلام کالج اولڈ سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن۔ جرمنی

https://www.youtube.com/watch?v=Yq9RRTi1wTU

مکرم عطاء العزیز صابر صاحب اور مکرم حمید الدین امینی صاحب محترم رانا عبد الرازاق خان صاحب کو فرینکفرٹ Railway station پر الوداع کرتے ہوئے۔

دریا کے کنارے ربوہ میں

(یہ نظم میرے چچا جناب احسن اسمٰعیل صدیقی صاحب نے لکھی ہے۔
چونکہ فرمائش میری تھی لہٰذا میرے نام لکھی گئی۔پروین اسلام)

عرفان کی بارش ہوتی ہے دن رات ہمارے ربوہ میں
اک مَردِ قلندر رہتا ہے دریا کے کنارے ربوہ میں

ظلمت کی گھٹائیں چھائی ہیں اسلام کے روئے تاباں پر
اس دور میں بھی آتے ہیں نظر کیا چاند ستارے ربوہ میں

سر سبز بھی ہیں شاداب بھی ہیں عرفان کی نہریں بہتی ہیں
اور دیکھنے والے دیکھتے ہیں جنت کے نظارے ربوہ میں

دشمن کا ہمیں اب کیا ڈر ہے دشمن کی بھلا کیا طاقت ہے
ہم دیوانے تو رہتے ہیں اللہ کے سہارے ربوہ میں

اس خاک کے ذرّے ذرّے میں اعجاز مسیحا دیکھا ہے
بستے ہیں مسیح و مہدی کے راج دلارے ربوہ میں

توحید کی باتیں کرتے ہیں محبوب خدا پہ مرتے ہیں
یہ کوئی فرشتے ہیں یارب! جو تو نے اتارے ربوہ میں

کیا شان خلافت دیکھی ہے کیا ذوق اطاعت دیکھا ہے
اب یاد انہیں کی آتی ہے چند دن جو گزارے ربوہ میں

اسلام کی شمع روشن ہے کہ دنیا کھنچی آتی ہے
پروانوں کی صورت آتے ہیں یہ عشق کے مارے ربوہ میں

جی چاہتا ہے اُڑ کر جاؤں شاید میری بگڑی بن جائے
سنتی ہوں کہ پروین رہتے ہیں اللہ کے پیارے ربوہ میں

(بحوالہ ماہنامہ مصباح ربوہ فروری 1956)

(بعد تحقیق یہ نظم اب اپنی اصل صورت میں احباب کی خدمت میں پیش کی جاتی ہے 13 جون 2022)

محترم وزیر اعظم! کیا میری لاش کو پاکستان میں رہنے کی اجازت ہو گی؟

از الم نگار۔"بشکریہ ہم سب" 29 مئی 2022

محترم وزیر اعظم میاں محمد شہباز شریف صاحب

اُمید ہے کہ آپ بخیر وعافیت ہوں گے۔ میں اس خط کو السلام علیکم سے شروع کر کے نیک تمناؤں کا اظہار کرنا چاہتا تھا۔ کیونکہ اس نازک دور میں ہمارے پیارے پاکستان کے وزیر اعظم کو ہم سب کی نیک تمناؤں کی ضرورت ہے لیکن ایک انجانے خوف نے میرے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لے لیا کیونکہ یہ عاجز پاکستان کا شہری ہونے کے علاوہ عقیدہ کے اعتبار سے ایک احمدی بھی ہے۔اور آپ جانتے ہیں ہوں گے کہ پاکستان میں بہت سے احمدیوں پر صرف اس پاداش میں مقدمہ درج کیا گیا ہے کہ انہوں نے السلام علیکم کہہ کر یا لکھ کر اپنی نیک تمناؤں کا اظہار کیا تھا۔ بہر حال یہ خط لکھنے کا مقصد احمدیوں کے متعلق قوانین کا شکوہ کرنا نہیں ہے اور نہ ہی اپنی زندگی کی ان ساٹھ سالوں کا رونا رونا ہے جو اس قسم کے خوفوں کی بھینٹ چڑھ گئے۔ سو آنے یہ کہہ کر سب شکووں کا دفتر لپیٹ دیا تھا:

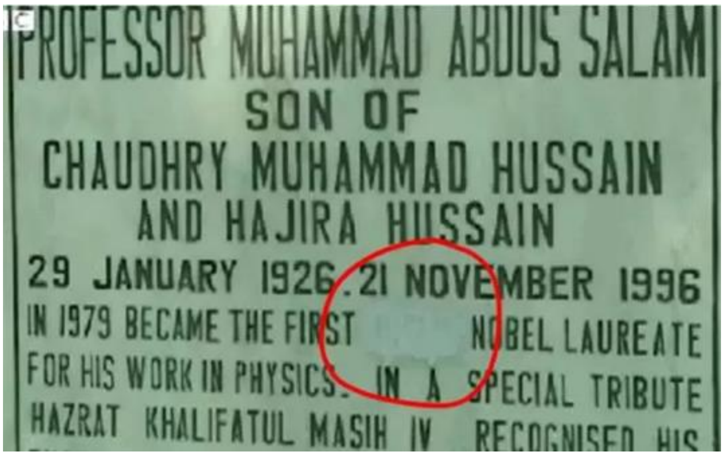

جو گزری مجھ پہ مت اس سے کہو ہوا سو ہوا
بلا کشانِ محبت پہ جو ہوا سو ہوا
کھے ہے سن کے مری سرگزشت وہ بے رحم
یہ کون ذکر ہے جانے بھی دو ہوا سو ہوا

اس خط کا مقصد تو صرف آپ سے ایک سادہ سا سوال پوچھنا ہے جو کہ خاکسار اس خط کے آخر میں پوچھنے کی جسارت کرے گا۔ شاید آپ کو خبر ملی ہو کہ دو ہفتہ قبل ضلع سرگودھا کے ایک گاؤں گھوگھیاٹ میں احمدیوں کی کچھ قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ ان کی قبروں کے کتبے مسمار کئے گئے۔ پیغام واضح تھا کہ مر کر یہ نہ سمجھو کہ تم محفوظ ہو گئے ہو، اسلامی جمہوریہ پاکستان میں تمہاری لاشوں کو بھی یہ احساس دلایا جائے گا کہ تم احمدی ہو اور تمہاری قبر کو بھی وہ حقوق حاصل نہیں ہوں گے جو کہ مہذب دنیا میں کسی انسان کی لاش کو حاصل ہوتے ہیں۔

اس کے چند روز بعد 17 مئی 2021 کو اوکاڑہ کے ایل پلاٹ میں ایک احمدی عبد السلام کو ان کے بچوں کے سامنے چاقو سے وار کر کے قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے والا حال ہی میں ایک قریبی مدرسہ سے فارغ التحصیل ہونے والا علی رضا تھا۔ جب علی رضا مدرسہ سے فارغ ہوا تھا تو مدرسہ کے استاد نے اپنی الوداعی تقریر میں احمدیوں کی سرکوبی کرنے کی نصیحت کی تھی۔ چنانچہ چند ہی روز میں علی رضا نے ایک احمدی کو بہیمانہ انداز میں قتل کر کے بزعم خود اپنے لئے جنت کا ٹکٹ حاصل کر لیا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہیں پاکستان میں جینے کا حق بھی نہیں دیں گے۔

ابھی عبد السلام صاحب کی لاش ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ 19 اور 20 مئی کی درمیانی رات کو پشاور کے قریب ایک گاؤں سانگو میں ایک احمدی اشفاق احمد صاحب ولد ڈاکٹر سرور کی قبر کو کھود کر اشفاق احمد کے جسد خاکی کے باقی ماندہ ٹکڑے باہر پھینک دیئے گئے۔ اشفاق احمد صاحب کا انتقال 1995 میں یوکرین میں ہوا تھا۔ ان کے ورثاء سے یہ غلطی ہوئی کہ وہ ان کے جنازے کو مادر وطن لے کر آئے اور یہاں دفن کر دیا۔ تاکہ اشفاق احمد کا جسدِ خاکی اس خاک میں آرام کرے لیکن افسوس عزیز اہل وطن کو یہ بھی گوارا نہیں ہوا۔ پیغام واضح ہے کہ ہم تمہاری لاش کو بھی اس ملک کی زمین میں آرام سے نہیں رہنے دیں گے۔

یہ سلسلہ ایک طویل عرصہ سے چل رہا ہے۔ 3 دسمبر 2012 کو ماڈل ٹاؤن لاہور میں احمدیوں کی قبرستان میں پندرہ کے قریب نقاب پوش حملہ آور داخل ہوئے اور ان میں سے کئی حملہ آوروں نے ہتھیار اٹھائے ہوئے تھے۔ انہوں نے وہاں پر موجود افراد کو ایک کمرہ میں بند کیا اور سو سے زائد قبروں کے کتبے مسمار کر دیئے۔ یہ حملہ آور فون پر ہدایات بھی وصول کر رہے تھے کہ یہ کارنامہ کس طرح سرانجام دینا ہے۔ محترم وزیر اعظم اس وقت آپ پنجاب کے وزیر اعلیٰ تھے اور یہ مقام آپ کے گھر سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے۔ شاید آپ کو یہ سانحہ یاد نہ ہو لیکن جن کے عزیزوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی تھی، کم از کم وہ اسے ابھی تک نہیں بھولے۔

گذشتہ دو سال کے دوران پہلے سے زیادہ احمدیوں کی قبروں پر حملے کئے گئے ہیں۔ فروری 2020 میں فتح دریا جھنگ میں دو احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ اور اسی مہینے کے دوران خود پولیس کے اہلکاروں نے چک 2 ٹی ڈے اے ضلع خوشاب میں احمدیوں کی قبروں کی بے حرمتی کی۔ مئی 2020 میں پچاس مولوی صاحبان اور کچھ پولیس اہلکاروں نے شوکت آباد ننکانہ صاحب میں احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ جون 2020 میں چک 79 نواں کوٹ ضلع شیخوپورہ میں احمدیوں کی قبروں کے خلاف مہم چلائی گئی اور آخرکار خود پولیس والوں نے احمدیوں کی درجنوں قبروں کے کتبوں کو مسمار کر دیا۔ اس سے اگلے ماہ ایک شکایت پر عمل کرتے ہوئے گوجرانوالہ کینٹ کے پولیس سٹیشن کے اہلکاروں نے ایک گاؤں کے احمدی قبرستان پر دھاوا بول کر 69 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔ دسمبر 2020 میں پولیس سٹیشن کلر کہار کی حدود میں ایک گاؤں میں احمدیوں کے قبرستان میں تین قبروں کی بے حرمتی کی گئی۔ 2021 شروع ہوا تو تھانہ گوجرہ صدر ٹوبہ ٹیک سنگھ کی حدود میں احمدیوں کے ایک قبرستان میں داخل ہو کر خود ایس ایچ او، پٹواری اور تحصیلدار نے ایک احمدی کی قبر کا کتبہ مسمار کیا۔ اسی مہینے میں بھوئیوال ضلع شیخوپورہ میں تین احمدیوں کی قبروں کے کتبے توڑ دیئے گئے۔ یہ واقعہ تھانہ شرقپور کی حدود میں پیش آیا۔ فروری 2021 میں 565 گ ب جڑانوالہ ضلع فیصل آباد میں خود پولیس افسران نے 25 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کروایا۔ مارچ میں پولیس نے ایک مرتبہ پھر ایک شکایت پر چابکدستی دکھاتے ہوئے کوٹ دیالداس ضلع ننکانہ میں 16 احمدیوں کی قبروں کو مسمار کیا۔

اسی طرح اپریل 2021 میں چک 604 ضلع مظفر گڑھ میں پولیس کے اہلکاروں نے ایک احمدی کی قبر کے کتبہ سے کچھ عبارتیں مٹائیں۔ یہ چند مثالیں ظاہر کرتی ہیں کہ عزیز از جان وطن میں اب دل کی دھڑکن رکنے کے بعد بھی احمدی محفوظ نہیں رہ سکتے۔ ان کی قبریں بھی دل آزاری کا باعث بن جاتی ہیں۔ ان کی لاشوں اور ان کی قبروں سے بھی انتقام لیا جائے گا۔ اور خود حکومتی ادارے اس بربریت میں دل کھول کر اپنا حصہ ڈالیں گے۔

اور یہ تاریخ میں پہلی مرتبہ نہیں ہو رہا کہ مذہبی تعصب میں قبروں کو نشانہ بنایا جا رہا ہو۔ بربریت کی یہ تاریخ بار بار دہرائی گئی ہے۔ اور اگر اس سلسلہ کو جاری رہنے دیا جائے تو کسی کی بھی قبر محفوظ نہیں رہتی۔ مثال کے طور پر جب سپین میں پہلے مسلمانوں اور پھر یہودیوں کو نشانہ بنایا گیا تو قبریں بھی اس نام نہاد کی تطہیر کے عمل سے محفوظ نہ رہ سکیں۔ 1580 میں Seville میں یہودیوں کی قبروں کو بھی اکھیڑ دیا گیا۔ اور ان میں موجود قیمتی اشیا کو لوٹا گیا۔ اور ایسے واقعات بار بار ہوئے۔ اس وقت کیتھولک چرچ قبروں کی اس بے حرمتی کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔

لیکن 1936 میں اسی سپین میں خود کیتھولک چرچ اسی بربریت کا شکار بنا۔ سپین کی خانہ جنگی کے دوران بہت سے چرچوں میں قبرستانوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اور ایسے بہت سے واقعات ہوئے۔ مثال کے طور پر بارسلونا میں 19 کیتھولک ننز کی لاشوں کو ان کی قبروں سے نکال کر کئی روز کے لئے باہر نمائش پر رکھ دیا گیا۔ اور ہزاروں لوگ ان کے سامنے سے گذر کر انہیں دیکھتے اور بعض تو ان لاشوں پر تحقیر آمیز جملے بھی کستے۔ اور آپ اس حقیقت سے واقف ہوں گے کہ پیرس کے قریب مسلمانوں کی قبروں کی بے حرمتی کے اندوہناک واقعات منظر عام پر آ چکے ہیں۔ ہر صاحب ضمیر کو ایسے واقعات کی مذمت کرنی چاہیے۔

میں نے اس خط کے شروع میں عرض کی تھی کہ اس خط کے آخر میں آن مکرم سے ایک سادہ سا سوال کرنے کی جسارت کروں گا۔ خاکسار کو جیتے جی تو اس ملک میں برابر کے شہری بننے کا موقع نہیں ملا۔ نثار میں تیری گلیوں پر اے وطن۔۔۔ مگر مجھے یہ اعزاز نہیں ملا کہ وطن کی گلیاں مجھے قبول کرتیں لیکن اب میں عمر کے اس حصہ میں ہوں جب موت زیادہ دور نہیں ہوتی۔ مجھے اب اپنی زندگی سے زیادہ اپنی لاش کی فکر ہے۔ میرا سوال یہ ہے کہ کیا اسلامیہ جمہوریہ پاکستان میں میری لاش کو سکون سے دفن رہنے کی اجازت ہو گی؟ کیا مجھے یہ تسلی دلائی جاسکتی ہے کہ جب میں دفن ہو جاؤں گا تو کوئی پولیس کا اہلکار یا تحصیلدار میری قبر کو مسمار کرنے یا میرے کتبہ کو توڑنے کے فرائض سرانجام نہیں دے گا۔ یا کوئی جنت کے حصول کے لئے میری لاش کی باقیات کو اکھیڑ کر باہر نہیں پھینکے گا۔ اگر حکومت پاکستان یہ سہولت نہیں مہیا کر سکتی تو کوئی بات نہیں۔ میں اسے بھی قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کرلوں گا اور اپنے ان بچوں کو جو ملک سے باہر رہائش پذیر ہیں یہ وصیت کر دوں گا کہ میری موت کی خبر سن کر خاموشی سے پاکستان آئیں اور میری لاش کو اسی خاموشی سے ملک سے باہر لے جائیں۔ اور اس وقت کا انتظار کریں جب وطن کی خاک اس غریب الوطن لاش کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو۔ آدمی جیتے جی اپنے سے ہونے والے امتیازی سلوک کا بوجھ اٹھا کر زندہ تو رہ سکتا ہے لیکن مرنے کے بعد اپنی لاش کو خود اپنے کندھوں پر اٹھا کر کہیں نہیں لے جاسکتا۔ محترم وزیر اعظم مجھے آپ کے جواب کا انتظار رہے گا۔

میں جس طرح خط شروع کرتے ہوئے ایک الجھن کا شکار تھا، اسی طرح خط کو ختم کرتے ہوئے بھی ایک الجھن کا شکار ہوں کیونکہ میرے نام کا آخری حصہ ایسا ہے جس پر اسلام آباد ہوئی کورٹ ایک تفصیلی فیصلہ میں اس تحفظ کا اظہار کیا گیا ہے کہ یہ کسی احمدی کے نام کا حصہ ہونا چاہیے۔ شاید ان کے نزدیک یہ بھی قانون شکنی اور دل آزاری ہے۔ بہر حال اتنی جلدی نام تو تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے

سب باتوں کے باوجود خیر اندیش

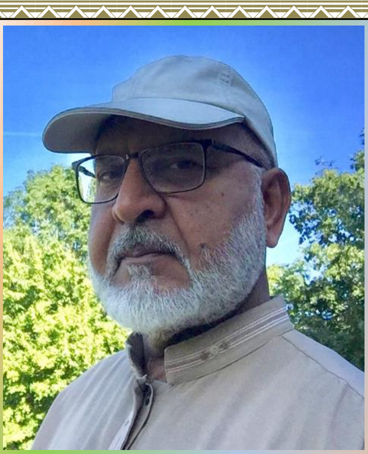

زائچہ اپنا پڑھ رہا ہوگا
اپنی قسمت سے لڑ رہا ہوگا
ایک سچا ہو لاکھ جھوٹوں میں
ان پہ بھاری وہ پڑ رہا ہوگا
جانتے کیا نہیں، وہ پاگل ہے
اپنی بات پہ اڑ رہا ہوگا
تیر اپنوں کے کھا کے پیچھے سے
اور آگے وہ بڑھ رہا ہوگا
دیکھ کر اس کا حوصلہ، دشمن
خود زمیں میں ہی گڑ رہا ہوگا
کوئی ملا ہی فی سبیل اللہ
سب فسادوں کی جڑ رہا ہوگا
اور شیطان کامیابی پر
اپنے گھر میں اکڑ رہا ہوگا
اب تو لگتا ہے جلد ہی شاید
پھر الیکشن وہ لڑ رہا ہوگا
طارق اچھا ہوا کہ باہر ہیں
ووٹ اپنا نہ پڑ رہا ہوگا

(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن)

خواب آتے نہیں ہیں آنکھوں میں
جب سے آئے ہو میری سانسوں میں
یاد کے تار خوب چھڑتے ہیں
ہجر کی بھیگی اداس راتوں میں
عشق کی ذات نے جو دی لذت
ایسی لذت کہاں ہے ذاتوں میں
آنکھ ملتے ہی مِل ہی جاتی ہے
کیسا جادو ہے اُنکی آنکھوں میں
آنِ واحد میں دل لُٹا بیٹھے
ایسے آئے ہم انکی باتوں میں
انکے لہجے سے پھول جھڑتے ہیں
کیسی شیرینی ہے انکی باتوں میں
حُسنِ اخلاق ہی تو افضل ہے
کیا دھرا ہے قلم دواتوں میں
عمر گزری ویران راہوں پر
یہ ملا عشق کی سوغاتوں میں
لب کُھلتے نہیں کبھی بھی منیرؔ
ہاتھ آتے ہی انکا ہاتھوں میں

(منیر احمد باجوہ)

تجھے دیکھنے کے بعد

(حنا تیموری - ہندوستان)

ہر شخص کہہ رہا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
دعویٰ میرا بجا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
ہم آ کے تیرے شہر سے واپس نا جائینگے
یہ فیصلہ کیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
سجدہ کروں کہ نقشِ قدم چومتی رہوں
گھر کعبہ بن گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
کہتے تھے تجھ کو لوگ مسیحا مگر یہاں
اک شخص مر گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
سجدہ تجھے کرونگی تو کافر کہیں گے لوگ
یہ کون سوچتا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
کھوئی ہوئی سی رہتی ہے ہر وقت اب حنا
یہ حال ہو گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

(سیما عابدی۔ہندوستان)

اتنا ہی تو ہوا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
خود کو بھلا دیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
آنکھوں کو ان کا گوہر مقصود مل گیا
ہاتھوں سے دل گیا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
دیکھا تجھے تو کاٹ لیں ہاتھوں کی انگلیاں
کچھ ہوش کب رہا ہے تجھے دیکھنے کے بعد
سب کچھ ہے تو ہی تو یہاں ہم کچھ بھی ہیں نہیں
یہ سچ تو اب کھلا ہے تجھے دیکھنے کے بعد

مرزا غالب کی فارسی کی غزل

(مرسلہ ملک صفی اللہ احمدی / قادیانی)

جس کا صوفی تبسم نے منظوم پنجابی ترجمہ کیا اور ایسا شاہکار ترجمہ کیا کہ وہ غزل لوگوں کو ازبر ہو گئی۔اردو ترجمہ حمید یزدانی نے کیا ہے اور اسی غزل کا پروفیسر رالف رسل نے انگریزی میں بھی ترجمہ کیا۔

فارسی	پنجابی
زمن گرَت نہ بُوَد باور انتظار بیا بہانہ جوئے مباش و ستیزہ کار بیا	میرے شوق دا نہیں اعتبار تینوں، آجا ویکھ میرا انتظار آجا ایویں لڑن بہانڑے لبھنا ایں، جے توں سوچنا ایں سِتمگار آجا
وداع و وصل جداگانہ لذّتے دارَد ہزار بار برَو، صد ہزار بار بیا	بھانویں ہجر تے بھانویں وصال ہووے، وکھو وکھ دوہاں دیاں لذتاں نیں میرے سوہنیا جا ہزار واری، آجا پیاریا تے لکھ وار آجا
رواجِ صومعہ ہستیست، زینہار مرَو متاعِ میکدہ مستیست، ہوشیار بیا	ایہہ رواج اے مسجداں مندراں دا، اوتھے ہستیاں تے خود پرستیاں نیں میخانے وِچ مستیاں ای مستیاں نیں، ہوش کر، بن کے ہُشیار آجا
تو طفل سادہ دل و ہمنشیں بد آموزست جنازہ گر نہ تواں دید بر مزار بیا	تُوں سادہ تے تیرا دل سادہ، تینوں اینویں رقیب کُراہ پایا جے تُوں میرے جنازے تے نہیں آیا، راہ تکدا اے تری مزار، آجا
حصار عافیتے گر ہوس کُنی غالب چو ما بہ حلقۂ رندانِ خاکسار بیا	سکھیں وسنا جے تُوں چاہنا ایں میرے غالبا ایس جہان اندر آ رنداں دی بزم وِچ آ بہہ جا، ایتھے بیٹھ دے نیں خاکسار آجا

The whole problem with the world is that Fools and fanatics are always so certain of themselves, and wiser people so full of doubts.

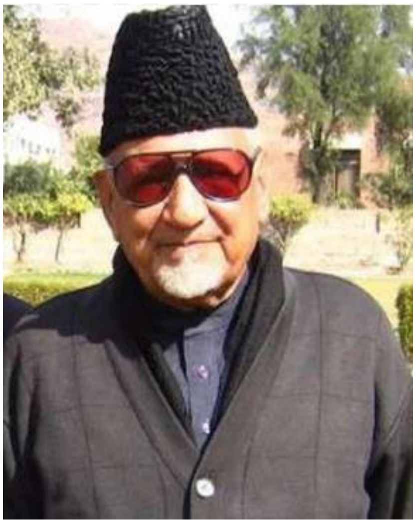

وضو کروں پہلے آنسوؤں سے
تو اسمِ عالی جناب لکھوں

مَیں جب بھی اس کی محبتوں کی، صداقتوں کی کتاب لکھّوں
تو سب سے پہلے اسے محمد ؐ کہوں، رسالت مآب لکھّوں

کروں تلاوت صحیفۂ رُخ کی اور اسے الکتاب لکھوں
جو خواب میں اس کو دیکھ پاؤں تو خواب کو کیسے خواب لکھوں

مرے خدا! اپنی طبعِ مشکل پسند کا کیا جواب لکھّوں
وہ کام جس کے نہیں ہوں قابل اسی کو کارِ ثواب لکھوں

صبا نہاؤں، گلاب پہنوں تو سوچنے کی کروں جسارت
وضو کروں پہلے آنسوؤں سے تو اسمِ عالی جناب لکھوں

ٹھہر بھی جا اشکِ شامِ ہجراں! ذرا اجازت دے سوچنے کی
جو خط ابھی تک لکھا نہیں ہے کوئی تو اس کا جواب لکھّوں

اسی کو چاہوں، اسی کو سوچوں، اسی کی کرتا رہوں تلاوت
جو اذن لکھنے کا پا سکوں تو اسی کو میں بے حساب لکھّوں

سرِ مژہ جو لرز رہے ہیں درود اور نعت کے ستارے
انھیں شفاعت کے پھول لکھّوں کہ مغفرت کے گلاب لکھّوں

وہی تو ہے جو الوہیت کی صفات کا مظہرِ اتم ہے
لکھوں تو اس کو نقاب اندر نقاب اندر نقاب لکھّوں

تمام سچائیوں کا حامل، وہی ہے کامل، وہی ہے اکمل
اسی کو لوح و قلم، اسی کو کتاب اندر کتاب لکھّوں

جو حرف اب بھی اُتر رہے ہیں، جو اَب بھی الفاظ بولتے ہیں
اسی کا حسنِ بیان، حسنِ کلام، حسنِ خطاب لکھّوں

وہی ہے نیّت، وہی ارادہ؛ وہی ہے منزل، وہی ہے جادہ
وہ راہبر ہو اگر سفر میں تو ہر سفر کامیاب لکھّوں

دل و نظر اشک اشک دھوؤں تو اسؐ پہ بھیجوں درود مضطرؔ!
سجاؤں پلکوں کو آنسوؤں سے تو نعت کو آب آب لکھّوں

چوہدری محمد علی مضطرؔ عارفی

فیض احمد فیض

آ کہ وابستہ ہیں اس حسن کی یادیں تجھ سے
جس نے اس دل کو پری خانہ بنا رکھا تھا
جس کی الفت میں بھلا رکھی تھی دنیا ہم نے
دہر کو دہر کا افسانہ بنا رکھا تھا

آشنا ہیں ترے قدموں سے وہ راہیں جن پر
اس کی مدہوش جوانی نے عنایت کی ہے
کارواں گزرے ہیں جن سے اسی رعنائی کے
جس کی ان آنکھوں نے بے سود عبادت کی ہے

تجھ سے کھیلی ہیں وہ محبوب ہوائیں جن میں
اس کے ملبوس کی افسردہ مہک باقی ہے
تجھ پہ برسا ہے اسی بام سے مہتاب کا نور
جس میں بیتی ہوئی راتوں کی کسک باقی ہے

تو نے دیکھی ہے وہ پیشانی وہ رخسار وہ ہونٹ
زندگی جن کے تصور میں لٹا دی ہم نے
تجھ پہ اٹھی ہیں وہ کھوئی ہوئی ساحر آنکھیں
تجھ کو معلوم ہے کیوں عمر گنوا دی ہم نے

ہم پہ مشترکہ ہیں احسان غم الفت کے
اتنے احسان کہ گنواؤں تو گنوا نہ سکوں
ہم نے اس عشق میں کیا کھویا ہے کیا سیکھا ہے
جُز ترے اور کو سمجھاؤں تو سمجھا نہ سکوں

عاجزی سیکھی غریبوں کی حمایت سیکھی
یاس و حرمان کے دکھ درد کے معنی سیکھے
زیر دستوں کے مصائب کو سمجھنا سیکھا
سرد آہوں کے رخ زرد کے معنی سیکھے

جب کہیں بیٹھ کے روتے ہیں وہ بیکس جن کے
اشک آنکھوں میں بلکتے ہوئے سو جاتے ہیں
ناتوانوں کے نوالوں پہ جھپٹتے ہیں عقاب
بازو تولے ہوئے منڈلاتے ہوئے آتے ہیں

جب کبھی بکتا ہے بازار میں مزدور کا گوشت
شاہراہوں پہ غریبوں کا لہو بہتا ہے
آگ سی سینے میں رہ رہ کے ابلتی ہے نہ پوچھ
اپنے دل پر مجھے قابو ہی نہیں رہتا ہے

بِپت کے روگی

بِپت کے روگی سب کچھ بُوجھے سب کچھ جانے ہوتے ہیں
اِن لوگوں کے اینٹ نہ مارو کہاں دوانے ہوتے ہیں؟

آہیں ان کی اُمڈتے بادل آنسو ان کے ابرِ مطیر
دشت میں ان کو باغ لگانے شہر بسانے ہوتے ہیں

ہم نہ کہیں گے آپ ہیں بِپت کے دُشمن من کے کٹھور مگر
آ ملنے کے نا ملنے کے لاکھ بہانے ہوتے ہیں

اپنے سے پہلے دشت میں رہتے کوہ سے نہریں لاتے تھے؟
ہم نے بھی عشق کیا ہے لوگو سب افسانے ہوتے ہیں

انشاءجی چھبیس برس کے ہو کے یہ باتیں کرتے ہو؟
انشاءجی اس عمر کے لوگ تو بڑے سیانے ہوتے ہیں

"ان کو شکوہ ہے کہ ہجر میں کیوں تڑپایا ساری رات
جن کی خاطر رات لُٹا دی چین نہ پایا ساری رات"

(یہ شعر حضرت مرزا طاہر احمد صاحب خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ کا ہے)

اُس سے شکوہ کون کرے کہ کیوں تڑپائے ساری رات
جو پیتم خود ہجر کے دُکھ سے چین نہ پائے ساری رات

جگ والو! کیا چاہت کا یہ رُوپ بھی تم نے دیکھا ہے
پریمی شُکھ سے سوئیں پی کو نیند نہ آئے ساری رات

مُجھ مورکھ کی اکھیئن میں تو پانی کی اک بُوند نہیں
مَن موہن نے میری خاطر نیر بہائے ساری رات

نِربھاگی جو ہیں وہ سب تو لمبی تانے سوتے ہیں
بھاگوں والا رو رو اِن کے بھاگ جگائے ساری رات

سُورج کس کے پریم میں جلتا مَنوا لے کر گھُومے ہے
کس کی کھوج میں چاند گگن کے چکّر کھائے ساری رات

لاج کی ماری سوچ رہی ہوں کیسے اُس کی اَور تکوں
ساجن جی کی سیوا کی نہ ناز اُٹھائے ساری رات

روز ارادے باندھے، سوچا، رات تو اُس کے نام کریں
بات یہ دن بھر یاد رہے پر یاد نہ آئے ساری رات

گھر ویران پڑے ہوں تو آسیب بسیرا کرتے ہیں
دِل کی بستی پر منڈلائے دُکھ کے سائے ساری رات

آدھی رات کی زاری اچھی جیون بھَر کے رونے سے
بے کَل مَن اب آدھی رات کے قرض چکائے ساری رات

ذہن ہے بوجھل، تن دُکھتا ہے، مَن بھی جلتا انگارہ
ساری رات ہی سوئے پھر بھی سو نہ پائے ساری رات

ایک ذرا سی جان نے میری کیا کیا جھنجھٹ پالے ہیں
دن بھر کے سب جھگڑے سوچوں میں نپٹائے ساری رات

یُوں بھی ہو کہ پِتا جو بھی بیتے من پہ بوجھ نہ ہو
اور کبھی بے بات کے میرا جی گھبرائے ساری رات

بُھولی باتیں، بِسرے قصّے، سُندر مُکھڑے، پیارے لوگ
یادوں کی بارات نے کیا کیا رنگ جمائے ساری رات

آس نراس کے سنگھم پر یہ جیون کب تک بیتے گا
دن کو خود ہی توڑے جو سپنے دکھلائے ساری رات

نظریں چھالا چھالا ہو گئیں، جلتی دُھوپ میں تکنے سے
ان پیالوں میں آشاؤں کے دِیپ جلائے ساری رات

بِن مانگے جو دان کرے کیا مانگے سے نہ دیوے گا؟
بیٹھ رہو اُس دَر پر جھولی کو پھیلائے ساری رات

گیت کوی کے سُن کے سَر تو دُھنتے ہو پر سوچا بھی؟
اُس نے کتنی پیڑ سہی، کیا کشٹ اُٹھائے ساری رات

کلام صاحبزادی امۃ القدوس بیگم صاحبہ سلمہا اللہ

(محمد یار کلیمؔ - سال سوم)

پھر اُن کی نگہ ناز کا احساں ہے آجکل
پھر مجھ کو فکر گردشِ دوراں ہے آجکل
وہ دن گئے کہ مجھ کو بیاباں کی تھی تلاش
تیرے بغیر گھر ہی بیاباں ہے آجکل
کیسا مذاق، کس کی جدائی، کہاں کا ہجر؟
اتنا ہے بس وہ آنکھ سے پنہاں ہے آجکل
اے موت تو کہاں ہے۔ کیا سُن رہا ہوں میں
کیوں میرے حال پر وہ پشیماں ہے آجکل
وائے نصیب اتنی بھی اب تو خبر نہیں
کس حال میں وہ جانِ بہاراں ہے آجکل
اے کاش کوئی اس بُتِ کافر کو دے پیام
تجھ بن ترا کلیمؔ پریشاں ہے آجکل

(بشیر طارقؔ - سال اوّل)

جب کلی کوئی مسکرائی ہے
کیوں مجھے تیری یاد آئی ہے
جب خوشی کی کوئی جھلک دیکھی
غم کی آندھی بھی ساتھ آئی ہے
خواہش مرگ پہ ہمیشہ ہی
زندگی مجھ پہ مسکرائی ہے
ہاتھ میں جام زندگی تھا مے
موت بھی مسکرا کے آئی ہے
جام و مینا کی بات رہنے دو
زلف و عارض کی بات آئی ہے
زندگی تو کسی کے نام سے تھی
موت بھی آج سے پرائی ہے

محمد احسن گردیزی - سال اوّل

جو بھی دنیا میں تھا باوفا اُٹھ گیا
اب تو دنیا سے یارو مزا اُٹھ گیا
ہم سفر غور کر سوچ خود ہی ذرا
ناخدا ہے اٹھا، کیا خدا اُٹھ گیا
تیری محفل میں بے مدعا آگیا
تیری محفل سے بے مدعا اُٹھ گیا
دل میں سوئی ہوئی آہ کی طرح تھا
میں فضاؤں میں بن کر صدا اٹھ گیا
بے نوائی بھی جس کی عجب چیز تھی
جگ سے وہ احسنؔ بے نوا اُٹھ گیا

شریف نیازی - سال اوّل

آئے وہ انجمن میں تو منہ پہ نقاب تھا
بادل میں چھپ گیا تھا۔ مگر ماہتاب تھا
یوں دیکھتے ہی اس نے مرا خط الٹ دیا
جیسے کتاب عمرِ گزشتہ کا باب تھا
محسوس وقت مرگ کچھ ایسا ہوا مجھے
جیسے کہ زندگی کوئی رنگیں خواب تھا
گزری تمام عمر مری اس طرح شریفؔ
تسبیح تھی یا ہاتھ میں جام شراب تھا

(خالد ملک ساحلؔ ہمبرگ جرمنی)

کچھ دل کا تعلق تو نبھاؤ کہ چلا میں
یا ٹوٹ کے آواز لگاؤ کہ چلا میں
درپیش مسافت ہے کسی خواب نگر کی
اک دیپ مرے پاس جلاؤ کہ چلا میں
اس شہر کے لوگوں پہ بھروسا نہیں کرنا
زنجیر کوئی در پہ لگاؤ کہ چلا میں
تا دل میں تمھارے بھی نہ احساس وفا ہو
جی بھر کے مجھے آج ستاؤ کہ چلا میں
مشتاق نگاہوں سے یہ سحر ٹوٹ رہا ہے
چہرے پہ کوئی رنگ سجاؤ کہ چلا میں
اس شہر مراسم میں تو سنگسار ہوا ہوں
پتھر ہی سرِ راہ سجاؤ کہ چلا میں
اس تشنہ لبی پر مجھے اعزاز تو بخشو
اے بادہ کشو جام اٹھاؤ کہ چلا میں
اس درجہ تغافل کی نہیں تاب جگر کو
تم اور بہانے نہ بناؤ کہ چلا میں
اک خواب ہے وہ خواب تو پورا کرو ساحلؔ
اک شعر مرا مجھ کو سناؤ کہ چلا میں

خاکسار کو گورنمنٹ سیکنڈری سکول، کینیما، سیرالیون، میں 10 سال(1971-1981) تک بطور سائنس ٹیچر خدمت کرنے کی توفیق ملی۔ خاکسار کے شاگردوں میں اب ملک کے کئی وزیر، سفیر اور دوسرے بڑے سرکاری عہدوں پر فائز ہیں۔ 2017 میں انہوں سالانہ فنکشن پر بلایا اور تعلیمی و سماجی خدمات کو سہراتے ہوئے خاکسار کی بحیثیت ایک چیف تاجپوشی کی۔ خاکسار اب وہاں ایک چیف کی حیثیت سے جانا جاتا ہے۔ اس طرح یہ اعزاز پانے والوں میں سے میں پہلا پاکستانی قرار پایا ہوں۔ مئی 2022 میں اس سکول کی پلاٹینم جوبلی منائی گئی جس میں انہوں نے خاکسار کو Special Guest of Honour کے طور پر مدعو کیا۔ سیرالیون میں خاکسار کا نہایت عزت، محبت و احترام سے استقبال کیا گیا۔ گویا یہ کوئی غیر نہیں بلکہ اپنے ہی لوگ ہیں۔ اس موقع پر میرے دل میں جو جذبات ابھرے ان کا اظہار شعری الفاظ میں کیا گیا ہے۔

آج پھر مجھے اپنوں نے بلایا ہے
توفیق باللہ ان سے ملایا ہے
عرصہ دراز ہوا جو ان کو چھوڑا ہے
پیار میرا جو نہ انہوں نے بھلایا ہے
عزت کرو تم گر عزت کمانی ہے
یہی جو خدا نے ہمیں سکھلایا ہے
جو اس کا ہو گیا، وہ سب پا گیا
یہ میں نے خوب آزمایا ہے
جانتا ہوں کہ نہ تھا میں اس قابل مگر
اُس کے پیار نے ہی سب مجھے دلایا ہے
وہ رحیم ہے، وہ کریم ہے، وہ عظیم ہے
جب بھی پڑی مشکل وہ آسرا بن کے آیا ہے
معینؔ! کیسے کروں ادا تیرا شکر اے خدایا
سب کچھ تیری عنایات سے ہی پایا ہے

(چیف سیّد معین شاہ)
کینیما، سیرالیون، مغربی افریقہ
13 مئی 2022

قاضی شوکت غنی صاحب گوادر کے علاقے پسنی میں کشمیر رجمنٹ کے تحت بطور سپاہی ڈیوٹی دے رہے تھے کہ مورخہ 3 اپریل 2016ء کو دہشت گردوں کی گولیوں کا نشانہ بن گئے اور جاں بحق ہوگئے۔ آپ کی تدفین ربوہ میں ہوئی۔

عبد السلام صاحب 1971 کی جنگ میں آپ چھمب سیکٹر کے اگلے مورچوں میں بطور سپاہی سگنل کور میں ڈیوٹی دے رہے تھے کہ دشمن کی طرف سے ایک گولہ آکر لگا جس میں پانچ ساتھیوں سمیت آپ بھی جاں بحق ہوگئے۔

کیپٹن مجیب فقر اللہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد پاک فوج میں کمیشن حاصل کیا۔1965 کو کاکول ٹریننگ کیلئے داخل ہوئے۔ آپ کو اپنی بہادری کی بناپر ستارہ جرات سے نوازا گیا۔ آپ کی میت چھ ماہ بعد انڈین آرمی نے پاکستان کے حوالے کی ۔ دسمبر 1971 میں آپ کی بٹالین کو چھمب جوڑیاں محاذ پر بھیجا گیا۔ آپ کو مندر پوسٹ اور ایک دوسری پوسٹ پر قبضے کا حکم ملا۔باوجود اس کے کہ پوسٹ 80 ڈگری کی چڑھائی پر واقع تھی اس کے باوجود آپ نہ صرف خود اوپر چڑھے بلکہ گولیوں کی بوچھاڑ کی پرواہ نہ کرتے ہوئے ایک ساتھی کو بھی کھینچ کر لے گئے: آپ نے پوسٹ پہ قبضہ کر لیا۔ بعد میں ایک ساتھی کو ڈھونڈنے کیلئے اسے آوازیں دیتے ہوئے ایک مورچے کے پاس گئے جہاں دشمن چھپے تھے۔ آپ کے قریب جانے پہ انہوں نے بریسٹ مارا اور آپ جاں بحق ہوگئے۔

لیفٹیننٹ ممتاز انور صاحب پاک بحریہ کے تباہ کن جہاز خیبر کے چیف انجنیئر تھے۔ جب جہاز سمندری طوفان کی لپیٹ میں آگیا تو لیفٹیننٹ انور نے خود انجن روم کا کنٹرول سنبھال لیا۔ مسلسل تین دن رات ڈیوٹی پر موجود رہے اور جہاز کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ 1971ء کی جنگ میں ایک بار جہاز دشمن کے میزائلوں کے نرغے میں آگیا۔ آپ ڈیوٹی پر موجود رہے اور اپنی جان بچانے کی بجائے ساتھیوں کی جان بچاتے بچاتے جاں بحق ہوگئے۔ آپ کی بہادرانہ خدمات کو سراہتے ہوئے آپ کو ستارہ جرات سے نوازا گیا۔

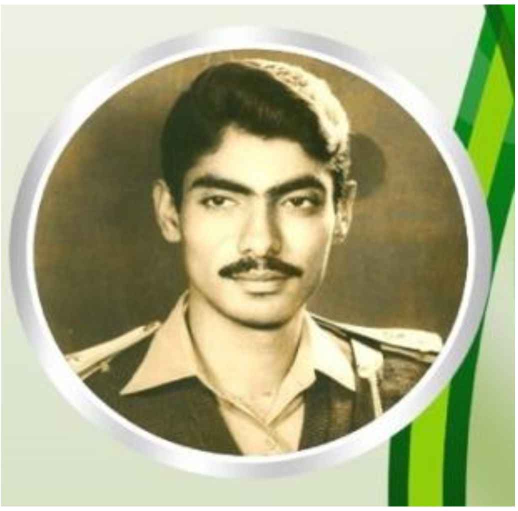

لیفٹیننٹ محمود اختر صاحب زبیری آپ کا تعلق راولپنڈی سے تھا۔ آپ نے چھمب کے میدان میں دشمن کے آٹھ ٹینک یکے بعد دیگرے تباہ کئے۔اس کے بعد 5 دسمبر 1971 کو دشمن کے علاقے میں سب سے پہلے اپنا ٹینک داخل کیا تو اس پہ حملہ ہوا اور آپ جاں بحق ہو گئے

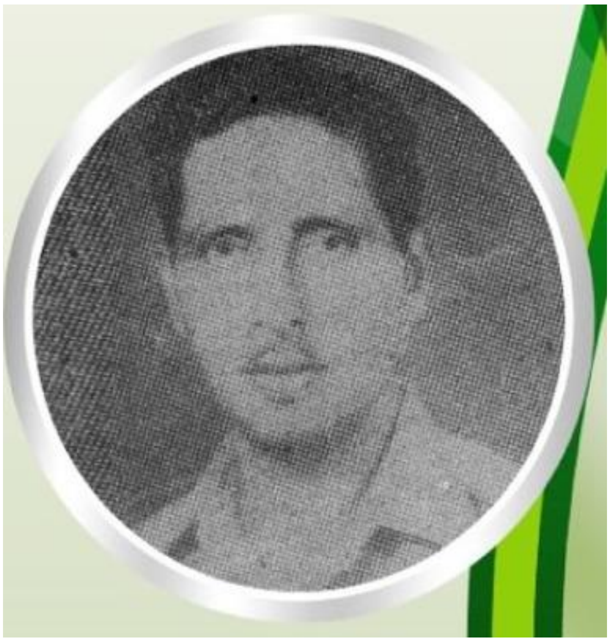

میجر منیر احمد لاہور کے محاذ پر مسلسل دو دن اور دو راتیں دشمن کا مقابلہ کرتے رہے۔21 ستمبر کو گولہ باری تھمی تو آپ سے کہا گیا کہ آرام کر لیں۔رات کو گولہ باری دوبارہ شروع ہو گئی جس میں آپ کو گولہ لگا اور آپ جاں بحق ہو گئے۔

میجر افضال محمود صاحب آپ 19 جون 2009 کو اپنے جوانوں کے ساتھ پاکستان اور افغانستان کے بارڈر کی پٹرولنگ کیلئے نکلے۔باجوڑ کے علاقے میں آپ کے قافلے پر حملہ کر دیا گیا۔آپ سر پہ گولی لگنے کی وجہ سے جاں بحق ہو گئے۔آپ کی تدفین ربوہ میں ہوئی۔

کیپٹن نذیر احمد صاحب: سات ستمبر کو بھارتی افواج نے قصور پر تین اطراف سے حملہ کیا۔ہماری فوج کے بہادروں نے نہ صرف بھارتی افواج کو پسپا کیا بلکہ کھیم کرن کو فتح بھی کیا۔انہی بہادروں میں کیپٹن نذیر احمد صاحب بھی تھے۔آپ 8 ستمبر کو زخمی ہوئے اور اسی روز جاں بحق ہوئے۔

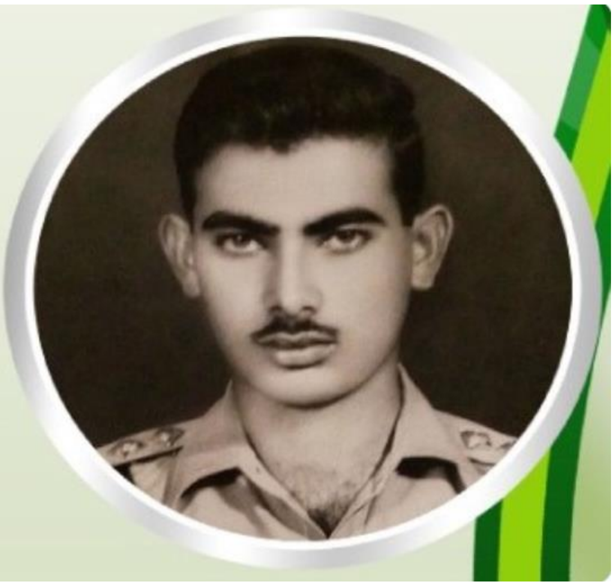

کیپٹن سر تاج علی امتیاز زبیری صاحب اپریل 1971 میں مکتی باہنی نے کیڈٹ کالج پر حملہ کیا تو آپ نے قریبی آرمی کیمپ میں جانے کی کوشش کی اور راستے میں لاپتہ ہوگئے۔جب کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد آپ کا پتہ نہ چل سکا تو سرکاری طور پر آپ کے جاں بحق ہونے کا اعلان کر دیا گیا۔

میجر مصلح الدین احمد سعید صاحب 1965 کی جنگ میں آپ نے چھمب جوڑیاں محاذ پر اپنی بٹالین ۹ پنجاب رجمنٹ میں قابل قدر خدمات سر انجام دیں۔ مشرقی پاکستان کے محاذ ٹھاکر گاؤں ضلع رنگپور پر آپ نے بطور سیکنڈ ان کمانڈ ۴۸ پنجاب رجمنٹ ۱۵ دسمبر ۱۹۷۱ کو انتہائی بہادری سے فرائض انجام دیئے۔ دشمن کے ٹینکوں پر بذات خود اینٹی ٹینک ریکائل لیس گن سے فائر کرتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔ دشمن کمانڈر بھی میجر صاحب کی دلیری و شجاعت کا اعتراف کئے بغیر نہ رہ سکا۔

(بحوالہ کتاب "ٹریجڈی آف ایررز"
صفحہ ۱۴۷ مصنفہ میجر جنرل کمال متین الدین)

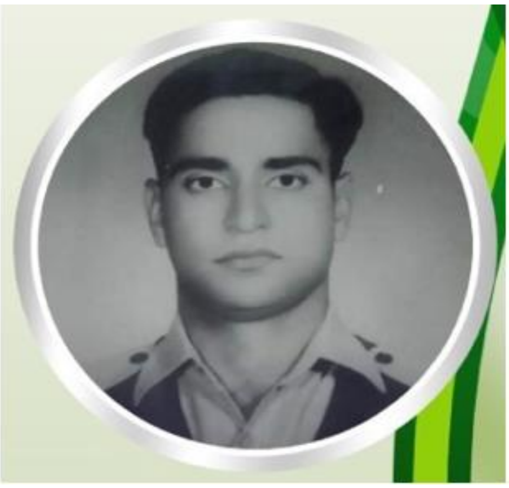

لیفٹینٹ راشد عبد اللہ آپ کا تعلق 25 پنجاب رجمنٹ سے تھا۔ آپ 30 مارچ 1971 کو راج شاہی سیکٹر مشرقی پاکستان میں باغیوں کے خلاف لڑتے ہوئے جاں بحق ہوئے۔

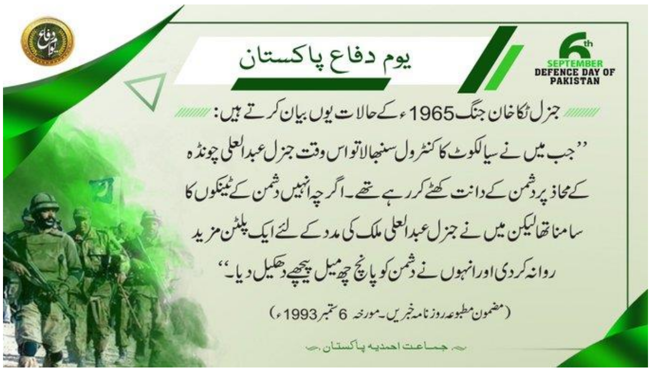

میجر جنرل افتخار جنجوعہ 1965 میں دشمن نے رن آف کچھ کے مقام پر حملہ کر دیا۔ دشمن کو روکنے کے لئے جس بریگیڈ کو روانہ کیا اس کی کمان بریگیڈئر افتخار جنجوعہ کے سپرد تھی۔ اس محاذ پر افتخار جنجوعہ نے جس اعلی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس پر آف ہیرو آف رن کچھ کے نام سے مشہور ہوئے: انہوں نے برگیڈ کمانڈر کی حیثیت سے بھارتی فوج کے بہت مضبوط گڑھ بیاربیٹ پر حملہ کیا۔ معرکہ بیاربیٹ کی منصوبہ بندی، غیر معمولی بہادری اور غیر معمولی قائدانہ صلاحیتوں کے مظاہرہ پر انہیں "ہلال جرات " سے نوازا گیا۔ 1971 کی جنگ میں آپ نے اپنی کمال حکمت عملی اور جنگی صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے دشمن پر حملہ کیا اور بے مثال عزم اور جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے چھب پر قبضہ کر لیا۔ 10 دسمبر 1971 کو فضائی دیکھ بھال کی ایک مہم کے دوران اگلے مورچوں کا معائنہ کرتے ہوئے آپ کا ہیلی کاپٹر حادثہ کا شکار ہو گیا اور آپ جاں بحق ہو گئے۔ ان کو دوبار ہلال جرات کے اعزاز سے نوازا گیا۔

سکواڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین احمد صاحب ایک معزز و معروف خاندان کے چشم و چراغ تھے۔ آپ کے والد خلیفہ رشید الدین صاحب لاہور میو ہسپتال کے ایک عرصہ تک سرجن رہے۔ آپ 8 ستمبر 1925ء کو قادیان میں پیدا ہوئے۔ مورخہ 8 ستمبر 1965 کو دشمن سرگودھا کے محاذ پہ بمباری کی کوشش کر رہا تھا۔ دشمن کو روکنے کیلئے امرتسر کے ریڈار کو مسمار کرنا بہت ضروری تھا۔۔ اس پر سکواڈرن لیڈر خلیفہ منیر الدین احمد صاحب نے کہا "اب میں جاؤں گا اور دشمن کے ریڈار تباہ کرکے ہی آؤں گا۔ " اپنے تین جانبازوں کو ساتھ لیکر نکلے۔ اور دشمن کا ریڈار تباہ کیا۔ اور وہیں جاں بحق ہو گئ:

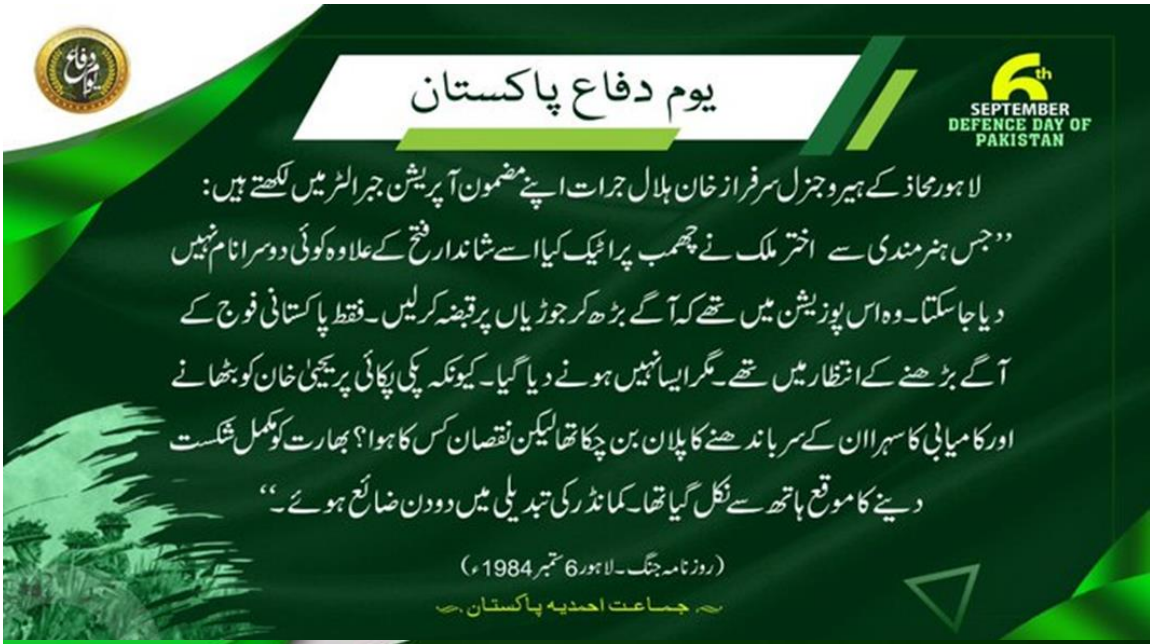
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
لاہور محاذ کے ہیرو جنرل سرفراز خان ہلال جرات اپنے مضمون آپریشن جبرالٹر میں لکھتے ہیں:
”جس ہنرمندی سے اختر ملک نے چھمب پر اٹیک کیا اسے شاندار فتح کے علاوہ کوئی دوسرا نام نہیں دیا جاسکتا۔ وہ اس پوزیشن میں تھے کہ آگے بڑھ کر جوڑیاں پر قبضہ کر لیں۔ فقط پاکستانی فوج کے آگے بڑھنے کے انتظار میں تھے۔ مگر ایسا نہیں ہونے دیا گیا۔ کیونکہ پکی پکائی پر یحییٰ خان کو بٹھانے اور کامیابی کا سہرا ان کے سر باندھنے کا پلان بن چکا تھا لیکن نقصان کس کا ہوا؟ بھارت کو مکمل شکست دینے کا موقع ہاتھ سے نکل گیا تھا۔ کمانڈر کی تبدیلی میں دو دن ضائع ہوئے۔“
(روزنامہ جنگ۔لاہور 6 ستمبر 1984ء)
جماعت احمدیہ پاکستان

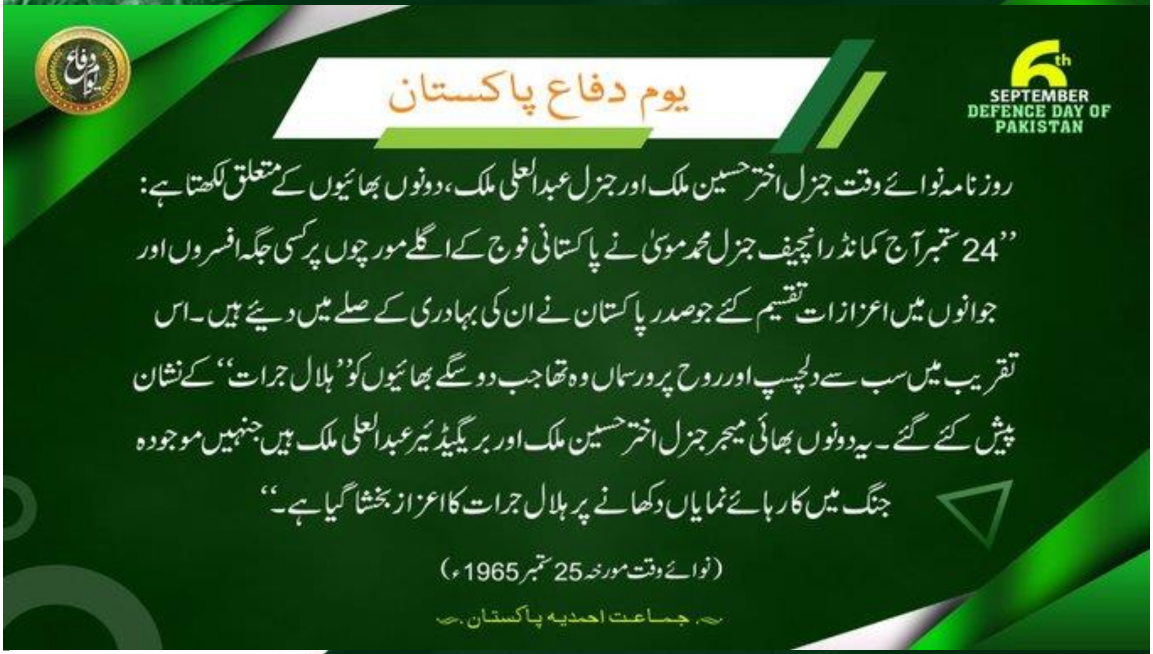
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
روزنامہ نوائے وقت جنرل اختر حسین ملک اور جنرل عبدالعلی ملک، دونوں بھائیوں کے متعلق لکھتا ہے:
”24 ستمبر آج کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ نے پاکستانی فوج کے اگلے مورچوں پر کسی جگہ افسروں اور جوانوں میں اعزازات تقسیم کئے جو صدر پاکستان نے ان کی بہادری کے صلے میں دیئے ہیں۔ اس تقریب میں سب سے دلچسپ اور روح پرور سماں وہ تھا جب دو سگے بھائیوں کو ”ہلال جرات“ کے نشان پیش کئے گئے۔ یہ دونوں بھائی میجر جنرل اختر حسین ملک اور بریگیڈیئر عبدالعلی ملک ہیں جنہیں موجودہ جنگ میں کارہائے نمایاں دکھانے پر ہلال جرات کا اعزاز بخشا گیا ہے۔“
(نوائے وقت مورخہ 25 ستمبر 1965ء)
جماعت احمدیہ پاکستان

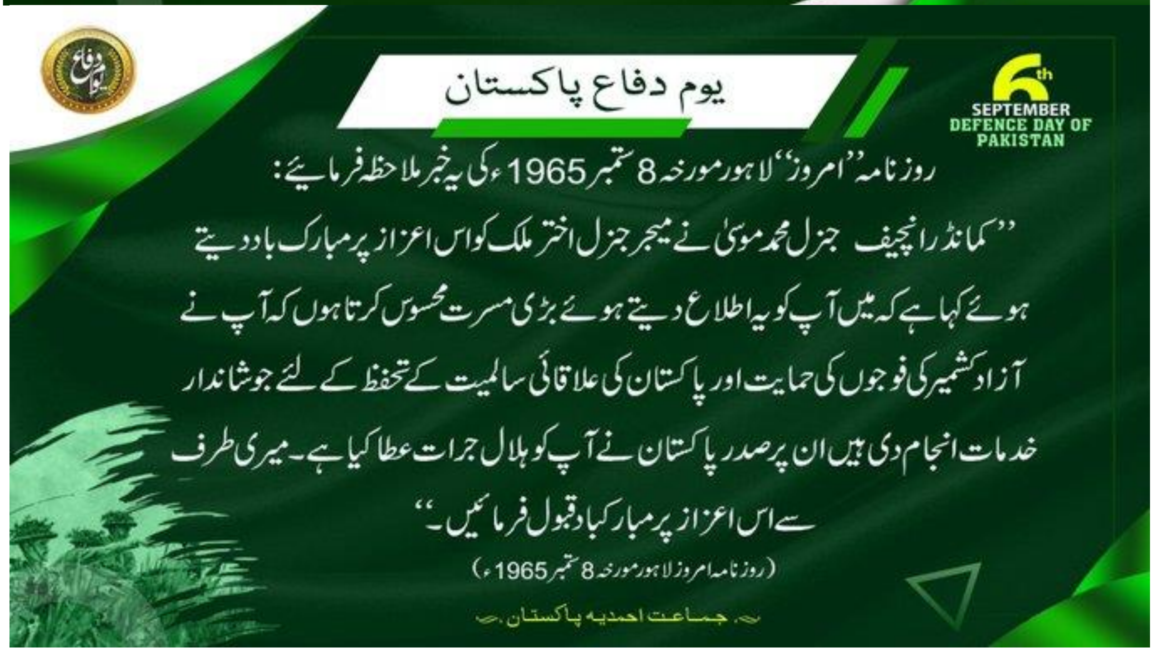
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
روزنامہ ”امروز“ لاہور مورخہ 8 ستمبر 1965ء کی یہ خبر ملاحظہ فرمایئے:
”کمانڈر انچیف جنرل محمد موسیٰ نے میجر جنرل اختر ملک کو اس اعزاز پر مبارکباد دیتے ہوئے کہا ہے کہ میں آپ کو یہ اطلاع دیتے ہوئے بڑی مسرت محسوس کرتا ہوں کہ آپ نے آزاد کشمیر کی فوجوں کی حمایت اور پاکستان کی علاقائی سالمیت کے تحفظ کے لئے جو شاندار خدمات انجام دی ہیں ان پر صدر پاکستان نے آپ کو ہلال جرات عطا کیا ہے۔ میری طرف سے اس اعزاز پر مبارکباد قبول فرمائیں۔“
(روزنامہ امروز لاہور مورخہ 8 ستمبر 1965ء)
جماعت احمدیہ پاکستان

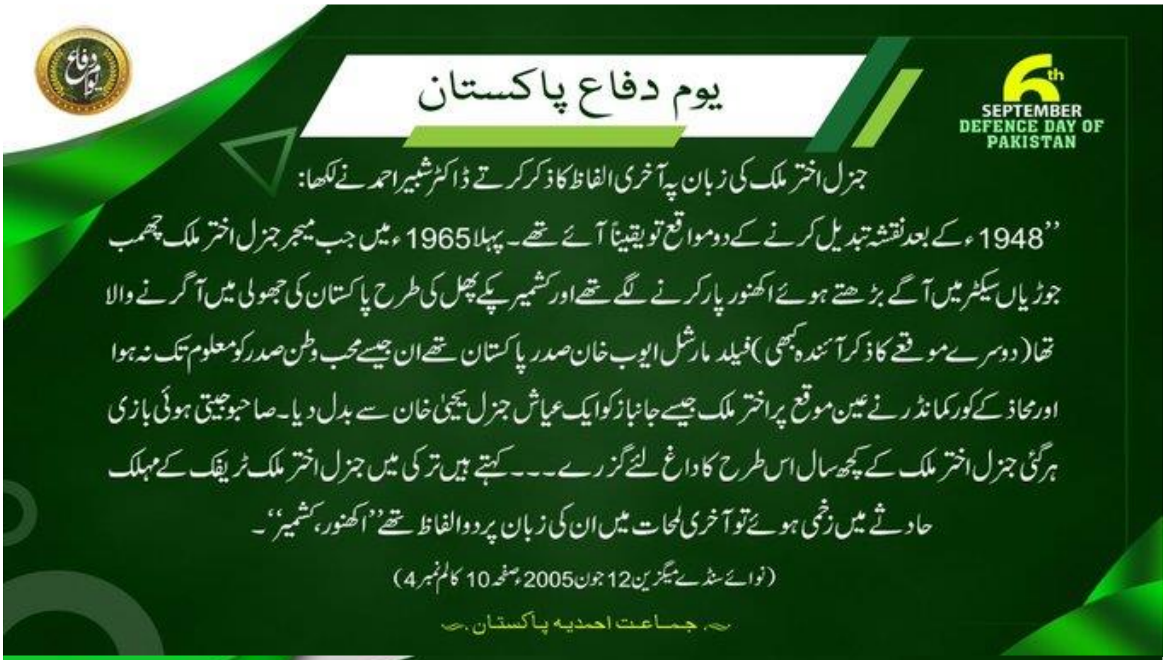
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
جنرل اختر ملک کی زبان پہ آخری الفاظ کا ذکر کرتے ڈاکٹر شبیر احمد نے لکھا:
"1948ء کے بعد نقشہ تبدیل کرنے کے دو مواقع تو یقیناً آئے تھے۔ پہلا 1965ء میں جب میجر جنرل اختر ملک چھمب
جوڑیاں سیکٹر میں آگے بڑھتے ہوئے اکھنور پار کرنے لگے تھے اور کشمیر پکے پھل کی طرح پاکستان کی جھولی میں آگرنے والا
تھا (دوسرے موقعے کا ذکر آئندہ کبھی) فیلڈ مارشل ایوب خان صدر پاکستان تھے ان جیسے محب وطن صدر کو معلوم تک نہ ہوا
اور محاذ کے کور کمانڈر نے عین موقع پر اختر ملک جیسے جانباز کو ایک عیاش جنرل یحییٰ خان سے بدل دیا۔ صاحب جیتی ہوئی بازی
ہر گئی جنرل اختر ملک کے کچھ سال اس طرح کا داغ لئے گزرے۔۔۔ کہتے ہیں ترکی میں جنرل اختر ملک ٹریفک کے مہلک
حادثے میں زخمی ہوئے تو آخری لمحات میں ان کی زبان پر دو الفاظ تھے "اکھنور، کشمیر"۔
(نوائے سنڈے میگزین 12 جون 2005ء صفحہ 10 کالم نمبر 4)
جماعت احمدیہ پاکستان

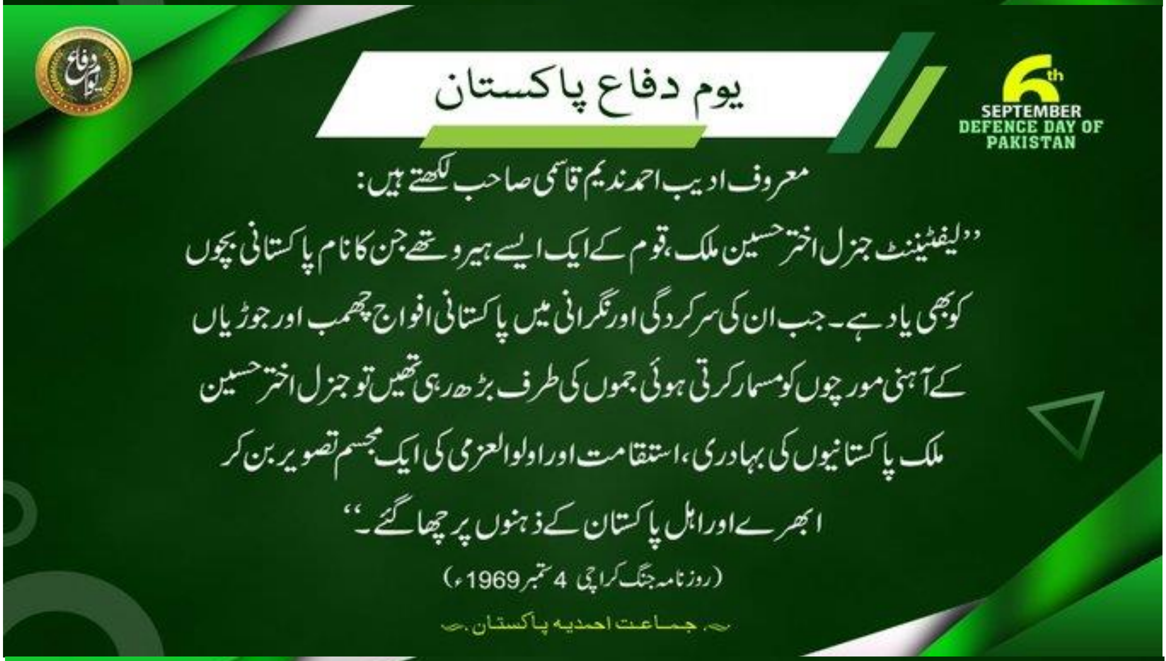
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
معروف ادیب احمد ندیم قاسمی صاحب لکھتے ہیں:
"لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک، قوم کے ایک ایسے ہیرو تھے جن کا نام پاکستانی بچوں
کو بھی یاد ہے۔ جب ان کی سرکردگی اور نگرانی میں پاکستانی افواج چھمب اور جوڑیاں
کے آہنی مورچوں کو مسمار کرتی ہوئی جموں کی طرف بڑھ رہی تھیں تو جنرل اختر حسین
ملک پاکستانیوں کی بہادری، استقامت اور اولوالعزمی کی ایک مجسم تصویر بن کر
ابھرے اور اہل پاکستان کے ذہنوں پر چھا گئے۔"
(روزنامہ جنگ کراچی 4 ستمبر 1969ء)
جماعت احمدیہ پاکستان

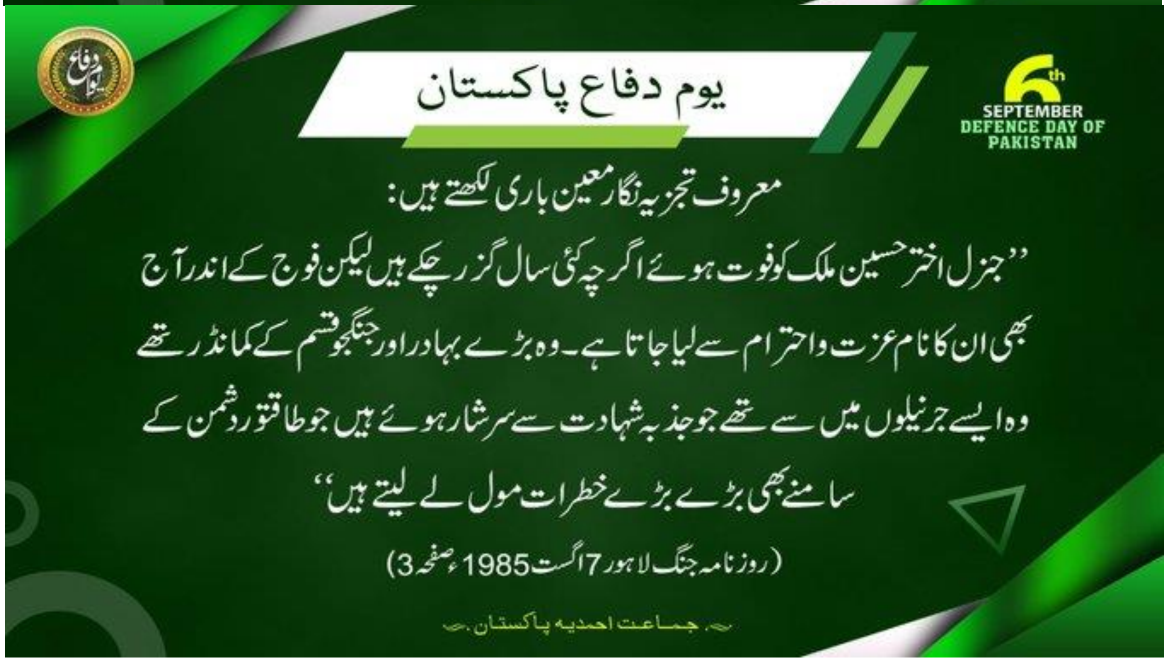
یوم دفاع پاکستان
6th
SEPTEMBER
DEFENCE DAY OF
PAKISTAN
معروف تجزیہ نگار معین باری لکھتے ہیں:
"جنرل اختر حسین ملک کو فوت ہوئے اگرچہ کئی سال گزر چکے ہیں لیکن فوج کے اندر آج
بھی ان کا نام عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ وہ بڑے بہادر اور جنگجو قسم کے کمانڈر تھے
وہ ایسے جرنیلوں میں سے تھے جو جذبہ شہادت سے سرشار ہوئے ہیں جو طاقتور دشمن کے
سامنے بھی بڑے بڑے خطرات مول لے لیتے ہیں"
(روزنامہ جنگ لاہور 7 اگست 1985ء صفحہ 3)
جماعت احمدیہ پاکستان

پاکستانی سپیس پروگرام اور رہبر ون

جب پانچ پاکستانی سائنسدانوں نے صرف نو ماہ میں پاکستان کو خلائی قوت بنا دیا

(از بلال کریم مغل۔بشکریہ بی بی سی اردو ڈاٹ کام،اسلام آباد۔7جون 2021)

(نوٹ از مضمون نگار:یہ تحریر 7جون 2021 کو شائع ہوئی تھی اور اسے دوبارہ شیئر کیا گیا ہے)

بائیں سے دائیں:احمد ضمیر فاروقی (مواصلات،پاکستان ایئر فورس)،محمد رحمت اللہ (محکمہ موسمیات پاکستان)،ڈاکٹر طارق مصطفیٰ (ٹیم لیڈر، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)،ڈاکٹر سلیم محمود (الیکٹرونکس،پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)،سکندر زمان (انجینیئرنگ،پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)

یہ سات جون 1962 کی بات ہے، پاکستان کے پانچ نوجوان سائنسدانوں کا ایک گروہ ڈاکٹر عبد السلام کے ہمراہ بلوچستان کے ساحلی علاقے سونمیانی میں جمع ہے۔ مئی 1998 میں بلوچستان میں کیے گئے نیوکلیئر دھماکوں سے 36 سال قبل اُس دن بلوچستان کی سرزمین پر ایک اور سائنسی تجربہ ہونا تھا۔یہ تمام سائنسدان پاکستان کے پہلے راکٹ کو خلا میں بھیجنے کی تیاری کر رہے ہیں۔سورج غروب ہو چکا ہے اور رات کے آٹھ بجنے میں ابھی سات منٹ باقی ہیں۔پھر کاؤنٹ ڈاؤن شروع ہوتا ہے۔تھری،ٹو،ون۔۔۔

اور پاکستان کا پہلا راکٹ 'رہبر ون' کامیابی سے بالائی فضا میں لانچ ہو کر اپنے بعد آنے والے مزید راکٹس کے لیے ایک رہبر بن جاتا ہے۔صرف یہی نہیں، اس لانچ کے ساتھ ہی پاکستان مسلم دنیا سمیت جنوبی ایشیا کی وہ پہلی قوت بنا جس نے کامیابی سے خلائی تجربہ سرانجام دیا۔اب اس واقعے کو 59 سال ہو چکے ہیں مگر اس پراجیکٹ کے ٹیم لیڈر ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کو آج بھی وہ دن اُسی طرح یاد ہے جیسے کل ہی کی بات ہو۔

یہ پراجیکٹ کیسے شروع ہوا، پاکستان یہ مقصد کیسے حاصل کر پایا اور ٹیم کو اس دوران کیا کیا چیلنجز درپیش رہے، یہ میرے وہ سوال تھے جن کی وجہ سے میں چھ دہائیوں بعد اس ٹیم کے ارکان کی تلاش میں نکلا۔ڈاکٹر طارق جب مسکراتے ہوئے اپنے بذلہ سنج اور باوقار انداز میں گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے بارے میں بتا رہے تھے تو خلائی سائنس کے دلدادہ اس صحافی نے خود کو یکایک اُسی دور میں پایا۔

آیئے، آپ بھی میرے ساتھ اس سفر پر چلیئے۔

دوسری عالمی جنگ کا اختتام ہو چکا ہے۔جنگ کا میدان اب زمین کے بجائے خلا کی طرف منتقل ہو چکا ہے۔جنگ کی نوعیت بھی اب ایک دوسرے کو ہتھیاروں کے ذریعے نقصان پہنچانے کے بجائے معاشی اور سائنسی میدان میں پیچھے چھوڑ دینے میں بدل چکی ہے۔روس اور امریکہ ایک دوسرے کو خلائی دوڑ میں نیچا دکھانے کے درپے ہیں۔امریکہ حیران ہے کہ روس نے خلا میں پہلا انسان پہنچانے میں سبقت کیسے حاصل کر لی؟

یکایک امریکی صدر جان ایف کینیڈی اعلان کرتے ہیں کہ امریکہ (ساٹھ کی) دہائی کے اختتام سے قبل نہ صرف انسان کو چاند پر اتارے گا بلکہ بحفاظت واپس بھی لائے گا۔اپالو خلائی پروگرام کے منتظم امریکی خلائی ادارے ناسا کے لیے یہ ایک بڑا چیلنج تھا اور اس کے لیے کئی ایسے اعداد و شمار اور سائنسی ڈیٹا کی ضرورت تھی جو اس وقت اُس کے پاس موجود نہیں تھے۔اسے بحرہند کے اوپر موجود فضا کی صورتحال کو جاننے کی بھی ضرورت تھی اور جب اُس نے یہ کرنے کی ٹھانی، تو پاکستان کا ستارہ چمک اٹھا۔

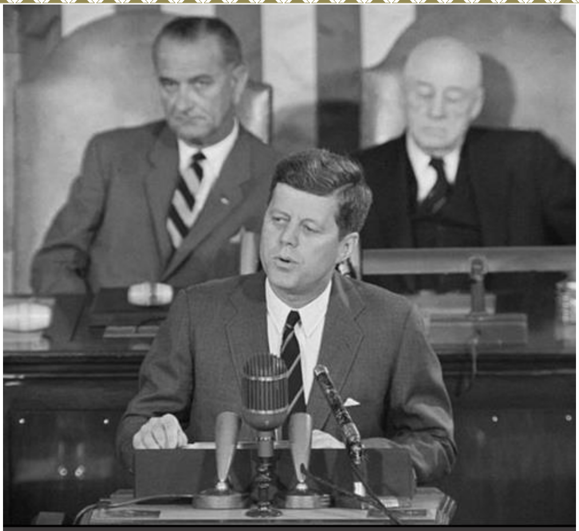

امریکی صدر جان ایف کینیڈی کانگریس کے سامنے امریکی خلاباز کو اسی دہائی میں چاند پر اتارنے اور واپس لانے کے عزم کا اعلان کرتے ہوئے۔25 مئی 1961

سنہ 1961 میں جب پاکستان کے اُس وقت کے فوجی حکمران جنرل ایوب خان امریکہ کے دورے پر تھے تو اُن کے سائنسی مشیر اعلیٰ، نوبیل انعام یافتہ ڈاکٹر عبدالسلام بھی اُن کے ہمراہ تھے۔

ڈاکٹر طارق مصطفیٰ اس وقت کو یاد کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ اُس وقت پاکستان اٹامک انرجی کمیشن سے وابستہ تھے اور ٹریننگ کی غرض سے امریکہ میں مقیم تھے۔ وہ اسی دوران صدر ایوب اور ڈاکٹر عبدالسلام کے امریکہ کے دورے کو اچھا اتفاق قرار دیتے ہیں جس کی وجہ سے پاکستان فی الفور خلائی دوڑ میں شامل ہو گیا۔

بی بی سی سے انٹرویو میں اُنھوں نے بتایا کہ امریکہ میں قیام کے دوران ایک دن اُنھیں ڈاکٹر عبدالسلام کا فون آیا۔ ’طارق، صبح واشنگٹن میں ایک اہم میٹنگ ہے اور تم نے پہنچنا ہے۔ مجھے اس سے کوئی واسطہ نہیں کہ لفٹ لے کر آؤ یا جہاز میں آؤ، بس تم نے پہنچنا ہے۔‘ اگلے دن وہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ واشنگٹن میں ناسا کے دفتر پہنچے۔ وہاں حکام نے اس پاکستانی وفد کے سامنے بحرِ ہند کے اوپر موجود فضا کے متعلق ڈیٹا نہ ہونے کی مشکل رکھی۔ ناسا نے پیشکش کی کہ وہ بحرِ ہند کے آس پاس کے ممالک کو راکٹ ٹیکنالوجی فراہم کرنے کو تیار ہیں، صرف ایک شرط کے ساتھ کہ اس راکٹ سے جو بھی ڈیٹا حاصل ہو گا، اس کا تبادلہ ناسا کے ساتھ بھی کیا جائے گا۔

یہ سُن کر ڈاکٹر عبدالسلام ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کی جانب مڑے اور پنجابی میں کہا، ’طارق، تیرا کی خیال اے؟‘ اُنھوں نے فوراً پنجابی میں جواب دیا: ’ایہہ تے ساڈا خواب پورا ہو جائے گا۔‘ پنجابی میں ہونے والی اس گفتگو کو ناسا کے عہدیدار سمجھ تو نہ سکے لیکن اُنھوں نے مزاج سے اندازہ لگاتے ہوئے ڈاکٹر عبدالسلام سے کہا کہ ’ینگ مین لُکس ویری کین‘ (نوجوان بہت پُرجوش معلوم ہو رہا ہے۔)

ناسا کے حکام نے اسی دن ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کو اپنے ایک خصوصی طیارے کے ذریعے ملک کے دوسرے کونے میں بحرِ اوقیانوس کے کنارے واقع والپس آئی لینڈ راکٹ رینج بھیج دیا، جہاں اُنھیں تمام آلات اور سامان کے متعلق بریفنگ دی گئی۔ پوری رات وہ اپنی رپورٹ مرتب کرتے رہے اور اگلے دن وہ دوبارہ واشنگٹن میں ناسا کے دفتر میں دوبارہ ڈاکٹر عبدالسلام کے ہمراہ اپنی رپورٹ کے ساتھ پہنچے۔ اسی دن ناسا نے پاکستان سے کہا کہ اگر آپ ہامی بھریں، تو ہم یہ پروگرام شروع کر سکتے ہیں۔ اور اُس کے صرف نو ماہ بعد ہی سونمیانی میں نہ صرف راکٹ رینج بھی بنالی گئی بلکہ رہبر سیریز کے اولین راکٹ لانچ بھی کر دیئے گئے۔ انڈیا نے یہ کارنامہ اس کے 15 ماہ بعد نومبر 1963 میں انجام دیا۔

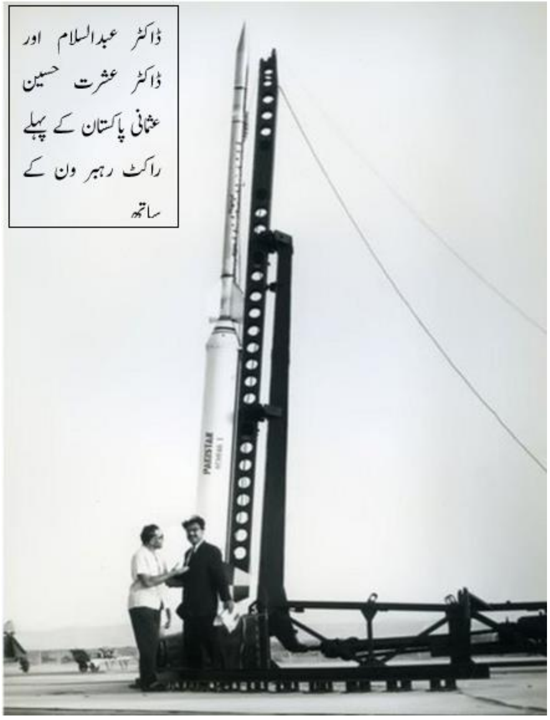

ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر عشرت حسین عثانی پاکستان کے پہلے راکٹ رہبر ون کے ساتھ

ٹیم کی ترتیب اور راکٹ رینج کا قیام

ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کی ڈیوٹی لگائی گئی کہ وہ ٹیم اکٹھی کریں۔ اُن کے ساتھ ڈاکٹر سلیم محمود (جو بعد میں سپارکو کے چیئرمین رہے) بھی ٹریننگ پر امریکہ میں موجود تھے۔ تین مزید سائنسدانوں احمد ضمیر فاروقی (پاکستان ایئر فورس)، محمد رحمت اللہ (محکمہ موسمیات کے ڈپٹی ڈائریکٹر) اور سکندر زمان (بعد میں چیئرمین سپارکو بنے) کو بھی امریکہ بلوا لیا گیا اور یہ مختصر سی ٹیم اپنے کام میں جُت گئی۔ سب سے پہلا مرحلہ پاکستان میں راکٹ رینج کے قیام کا تھا جو اس وقت تک یہاں پر موجود نہیں تھی۔

اس کام کے لیے صدر ایوب خان نے تجویز دی کہ سونمیانی میں واقع فوج کی آرٹلری رینج کو اس مقصد کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے کیونکہ وہاں پر افرادی قوت کے رہنے کا

انتظام اور دیگر سہولیات پہلے سے موجود تھیں۔اس تجویز کو قبول کیا گیا اور فوراً اس آرٹلری رینج کو پاکستان کی پہلی راکٹ رینج میں بدلنے کا کام شروع کر دیا گیا۔سائنسدانوں کو اس کام کے لیے امریکہ میں تیاری کروائی گئی اور ناسا کی جانب سے ہی ساز و سامان مہیا کیا گیا۔چھ مہینوں کے اندر ناسا کے ڈپوز میں موجود امریکی فوج کے فاضل سامان میں سے راکٹ چلانے کے لیے ضروری سامان تلاش کیا گیا اور اسے امریکہ کی والپس آئی لینڈ راکٹ رینج میں اکٹھا کیا گیا۔پھر پاکستانی سفارتخانے کے مالیاتی مشیر وزیر علی شیخ کی ذمہ داری لگائی گئی کہ یہ سامان پاکستان پہنچایا جانا ہے۔سامان میں موجود حساس آلات ڈاکٹر طارق مصطفی کی ایک گاڑی کی ڈگی میں رکھ کر گاڑی پاکستان بھیج دی گئی۔تمام سامان مارچ 1962 تک پاکستان پہنچ گیا اور تب تک راکٹ لانچ کی ذمہ دار ٹیم نے فوج کے انجینیئرنگ شعبے کی مدد سے مل کر آرٹلری رینج کو راکٹ لانچ کے لیے موزوں شکل دے دی تھی۔

بائیں سے دائیں: ڈاکٹر طارق مصطفیٰ، ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (چیئرمین پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، ڈاکٹر عبدالسلام، انیس احمد خان شیر وانی (سیکریٹری، پاکستان اٹامک انرجی کمیشن)، ایس این نقوی (ڈائریکٹر، محکمہ موسمیات)، محمد رحمت اللہ

تجربہ کیا تھا؟

تجربہ یہ کرنا تھا کہ راکٹ کے ذریعے فضا میں 50 سے 100 میل کی بلندی پر سوڈیم کے بخارات چھوڑے جائیں جنھیں سورج کے غروب ہونے کے بعد افق کے نیچے سے آنے والی سورج کی روشنی سے منعکس ہونا تھا اور اس کے بعد بھولاڑی، لسبیلہ، حب اور کراچی ایئرپورٹ کے مقام پر کیمرے نصب کیے گئے جنھوں نے بیک وقت، بغیر ایک سیکنڈ کے وقفے کے،اُن بخارات کی تصاویر لینی تھیں۔

اس مقصد کے لیے پاکستانی فضائیہ کے طیاروں میں استعمال ہونے والے جاسوس کیمروں کو زمین پر نصب کر دیا گیا اور ان کو آپس میں منسلک کر کے بیک وقت تصاویر لینا ممکن ہو پایا۔فضائیہ سے احمد ضمیر فاروقی کو شامل کرنے کے پیچھے یہی مقصد تھا۔ان بخارات کی تصاویر کا بغیر کمپیوٹر کی مدد کے طویل حسابات کے ذریعے تجزیہ کیا جانا تھا جس سے بالائی فضا کے درجہ حرارت اور وہاں پر ہواؤں کا رخ معلوم ہو جاتا، جس کی ناسا کو اپالو پروگرام کے لیے ضرورت تھی۔اس ٹیم کے رکن اور بعد میں پاکستان کے سپیس اینڈ اپر ایٹموسفیئر ریسرچ کمیشن (سپارکو) کے چیئرمین ڈاکٹر سلیم محمود بی بی سی سے بات کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ اس دن ٹیم میں بے چینی، جوش، جذبے اور خوشی کے جذبات کا ایک امتزاج موجود تھا۔

وہ بتاتے ہیں کہ رہبر ون راکٹ تین مرحلوں پر مشتمل راکٹ تھا اور ہر مرحلے کی کامیاب تکمیل کے بعد ٹیم کو خوشی بھی ہوتی اور اضطراب بھی کہ اگلا مرحلہ کیسا رہے گا، مگر یہ تجربہ کامیاب رہا۔اُس رات یہ تمام سائنسدان خوشی کے باعث سو پائے یا نہیں؟ اس سوال پر ڈاکٹر سلیم محمود ہنس دیئے۔"اس رات بھی ہم لوگ جلدی سو گئے تھے کیونکہ اس راکٹ لانچ کے بعد ہمیں اگلا راکٹ چار دن بعد 11 تاریخ کو ہی لانچ کرنا تھا۔"

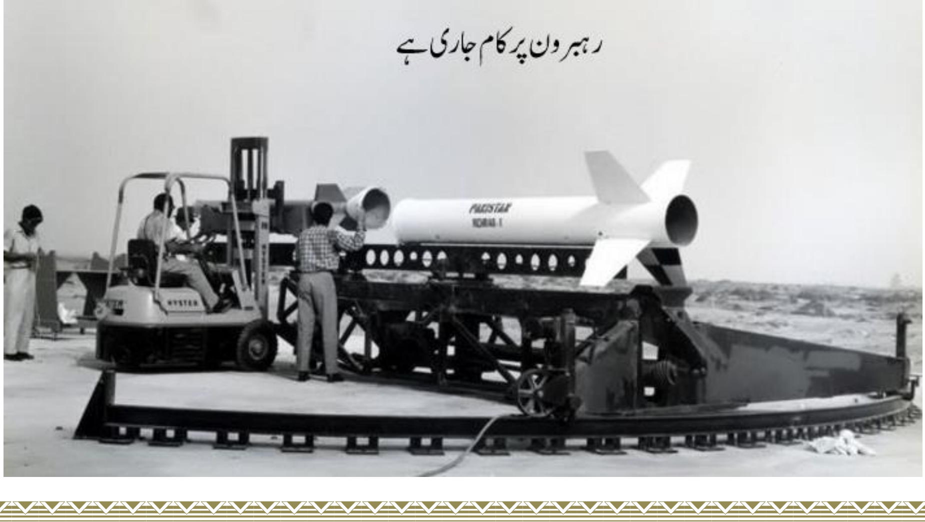

رہبر ون پر کام جاری ہے

رینج کے مشکل حالات کے بارے میں بتاتے ہوئے وہ کہتے ہیں کہ وہ ایک مشکل مقام تھا اور ہر وقت گرمی کے ساتھ ساتھ سانپوں اور بچھوؤں کے خطرے کا بھی سامنا کرنا پڑتا

تھا۔ایک دن تو وہ کنٹرول روم میں داخل ہوئے تو سامنے میز پر ایک سانپ پہلے ہی اپنی جگہ لیے ہوئے تھا۔چارو ناچار ٹیم وہاں سے الٹے پاؤں واپس ہوئی اور پھر لوگوں کو بلا کر سانپ کو وہاں سے نکلوایا گیا۔ لیکن ان حالات کے باوجود کام جاری رہا اور تجربہ کامیابی سے ہمکنار ہوا۔

ناسا کی اپنی ضرورت پوری ہوئی اور پاکستان نے ناسا کی اس پیشکش کا فائدہ اٹھا کر خود کو خلائی دوڑ میں ایشیا کا سرِ فہرست ملک ثابت کر دیا۔اس حوالے سے امریکی خلائی ادارے ناسا نے بی بی سی اردو کو خصوصی طور پر اپنے آرکائیوز میں سے سات جون 1962 کی وہ پریس ریلیز فراہم کی جس میں اس کامیاب راکٹ تجربے کا تذکرہ ہے۔اس پریس ریلیز میں تفصیلی طور پر بتایا گیا ہے کہ یہ تجربہ ناسا اور سپارکو کے درمیان باہمی مفاد کی خلائی تحقیق کے پروگرام کے تحت کیا گیا ہے۔

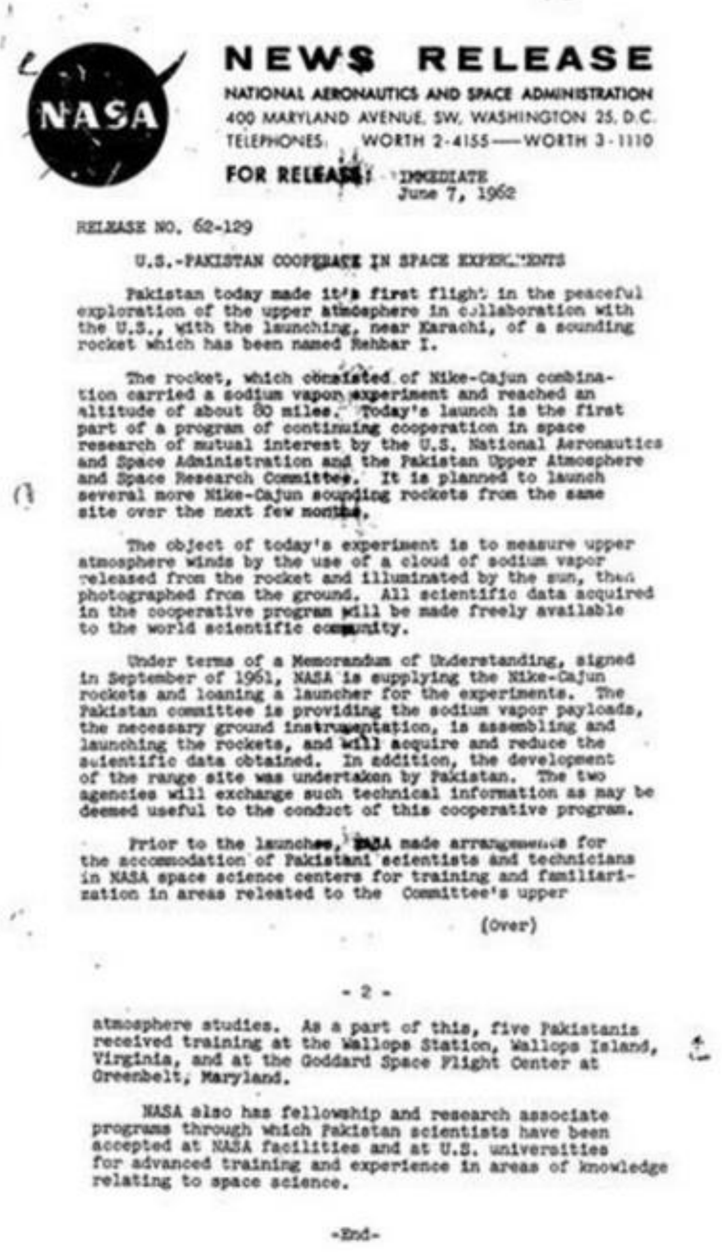

NEWS RELEASE
NATIONAL AERONAUTICS AND SPACE ADMINISTRATION
400 MARYLAND AVENUE, SW, WASHINGTON 25, D.C.
TELEPHONES: WORTH 2-4155—WORTH 3-1110

FOR RELEASE: IMMEDIATE
June 7, 1962

RELEASE NO. 62-129

U.S.-PAKISTAN COOPERATE IN SPACE EXPERIMENTS

Pakistan today made it's first flight in the peaceful exploration of the upper atmosphere in collaboration with the U.S., with the launching, near Karachi, of a sounding rocket which has been named Rehbar I.

The rocket, which consisted of Nike-Cajun combination carried a sodium vapor experiment and reached an altitude of about 80 miles. Today's launch is the first part of a program of continuing cooperation in space research of mutual interest by the U.S. National Aeronautics and Space Administration and the Pakistan Upper Atmosphere and Space Research Committee. It is planned to launch several more Nike-Cajun sounding rockets from the same site over the next few months.

The object of today's experiment is to measure upper atmosphere winds by the use of a cloud of sodium vapor released from the rocket and illuminated by the sun, then photographed from the ground. All scientific data acquired in the cooperative program will be made freely available to the world scientific community.

Under terms of a Memorandum of Understanding, signed in September of 1961, NASA is supplying the Nike-Cajun rockets and loaning a launcher for the experiments. The Pakistan committee is providing the sodium vapor payloads, the necessary ground instrumentation, is assembling and launching the rockets, and will acquire and reduce the scientific data obtained. In addition, the development of the range site was undertaken by Pakistan. The two agencies will exchange such technical information as may be deemed useful to the conduct of this cooperative program.

Prior to the launches, NASA made arrangements for the accommodation of Pakistani scientists and technicians in NASA space science centers for training and familiarization in areas releated to the Committee's upper

(Over)

- 2 -

atmosphere studies. As a part of this, five Pakistanis received training at the Wallops Station, Wallops Island, Virginia, and at the Goddard Space Flight Center at Greenbelt, Maryland.

NASA also has fellowship and research associate programs through which Pakistan scientists have been accepted at NASA facilities and at U.S. universities for advanced training and experience in areas of knowledge relating to space science.

-End-

اس کے علاوہ اس پریس ریلیز میں والپس آئیلینڈ اور ناسا کے گوڈارڈ سپیس فلائٹ سینٹر میں پانچوں پاکستانی سائنسدانوں کی تربیت کا تذکرہ بھی کیا گیا ہے۔**سات جون 1962 کو پاکستان کے کامیاب راکٹ تجربے کے بارے میں ناسا کی جاری کردہ پریس ریلیز** اپنے ہی ملک میں راکٹوں کی تیاری رہبر راکٹ لانچ کے لیے مدد اور سامان امریکہ نے فراہم کیا مگر اس کے بعد پاکستانی سائنسدانوں نے یہ سوچا کہ کیوں نہ ملک میں خود ہی راکٹس تیار کیے جائیں؟

اس معاملے کو یاد کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بتاتے ہیں کہ امریکہ مفت راکٹس فراہم کرنے کے لیے تیار تھا مگر پاکستان اپنے راکٹس بنانا چاہتا تھا۔چنانچہ جاپان اور فرانس کے سروے کیے گئے اور بالآخر فرانس کی ٹیکنالوجی زیادہ موزوں قرار پائی۔

فرانس سے ٹیکنالوجی کے حصول کے لیے پاکستانی سائنسدانوں کو فرنچ زبان سکھائی گئی اور خصوصی طور پر کراچی اور فرانس میں کورسز کروائے گئے تاکہ وہ فرانسیسی انجینیئرز سے گفتگو کر کے ٹیکنالوجی سمجھ سکیں۔

اس کے بعد کراچی میں ماڑی پور کے مقام پر راکٹس کی تیاری کا پلانٹ لگایا گیا، جہاں سے تیار ہونے والے راکٹس سے 1969 میں پاکستان نے تجربے شروع کیے، جنھیں شہپر سیریز کہا گیا۔

پھر کیا ہوا؟

لیکن سوال یہ ہے کہ پھر آنے والے برسوں میں پاکستان اس خلائی دوڑ میں اتنا پیچھے کیوں رہ گیا؟

پاکستان نے حالیہ برسوں میں چین کی مدد سے کئی سیٹلائٹس لانچ کی ہیں۔تو ایک ایسا ملک جو خود اپنا راکٹ لانچ کر رہا تھا، اب سیٹلائٹس لانچ کرنے کے لیے چین پر منحصر کیوں ہے جبکہ پڑوسی ملک انڈیا چاند اور مریخ تک اپنے خلائی مشنز بھیج رہا ہے؟اس کے جواب میں ڈاکٹر طارق مصطفیٰ کا موقف یہ ہے

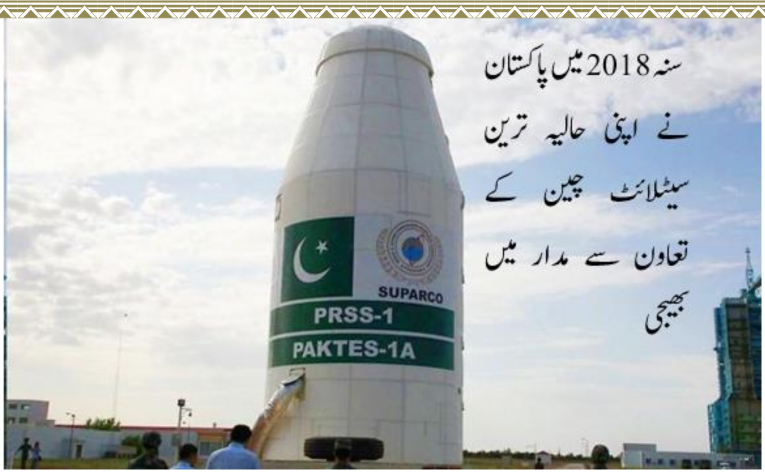

کہ سپارکو کو اتنے وسائل نہیں دیے گئے اور پاکستان کی توجہ مختلف وجوہات کی بنا پر دفاعی جانب زیادہ رہی۔ خود ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بھی سیکریٹری دفاعی پیداوار ڈویژن رہ چکے ہیں اور 1994 میں حکومتِ پاکستان سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ اُنھیں اور ڈاکٹر سلیم محمود کو سنہ 71 کی جنگ میں ریڈار ٹیکنالوجی کی مدد سے انڈین بحری جہازوں کو دھوکہ دے کر پاکستانی بحری جہازوں کو محفوظ رکھنے پر بحریہ کے اعزازی کمانڈر کا اعزاز دیا جا چکا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ پاکستان اس خلائی دوڑ میں ایسے ہی موقعے کا فائدہ اٹھا کر شامل ہو گیا تھا لیکن ملک کے پاس اس حوالے سے ویژن نہیں تھا کہ پاکستان نے بالائی فضا کے بعد باقاعدہ خلا میں بھی قدم رکھنے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ انڈیا کے پاس اس حوالے سے کہیں زیادہ مالی وسائل اور سائنسی دماغ اور سہولیات موجود تھیں جس کی بنا پر وہ آج اس جگہ تک جا پہنچے ہیں۔

دوسری جانب ڈاکٹر سلیم محمود کے نزدیک اس حوالے سے انڈیا اور پاکستان کا موازنہ نہیں کیا جانا چاہیے۔ اُن کا یہ کہنا ہے کہ پاکستان کی اپنی قومی ترجیحات ہیں اور پاکستان اس کا متحمل نہیں ہو سکتا کہ اب راکٹ لانچنگ ٹیکنالوجی تیار کرنے پر فنڈز خرچ کرے۔ ڈاکٹر سلیم محمود کہتے ہیں کہ جو وسائل دستیاب ہیں، اُن کے ذریعے سپارکو نے موسمیاتی تبدیلی، جنگلات کی کٹائی، ماحولیاتی آلودگی، قدرتی وسائل اور آبی ذخائر وغیرہ کی مانیٹرنگ جیسے اہم مسائل پر زیادہ توجہ دی اور اس کے لیے سپارکو کی ٹیکنالوجی کو استعمال میں لایا گیا۔

دسمبر 1979 میں وہ سپارکو (جو اس وقت ایک کمیٹی تھا) کے ایگزیکٹیو ڈائریکٹر تھے اور اس کو دستیاب فنڈز ناکافی ہونے کے باعث وہ سپارکو چھوڑ گئے تھے۔ پھر اُن کے مطابق جنرل ضیا الحق نے اُنھیں اگلے ہی سال دوبارہ سپارکو آنے کے لیے کہا۔ ڈاکٹر سلیم محمود کے مطابق اس موقع پر اُنھوں نے جنرل ضیا کے سامنے تجاویز رکھیں جن میں فنڈز، اختیارات اور سپارکو کی حیثیت بڑھا کر اسے کمیشن کا درجہ دینا تھا، جن کی ضیا الحق نے مکمل طور پر منظوری دی۔ وہ 15 دسمبر 1980 کو سپارکو کے چیف ایگزیکٹیو افسر کے طور پر واپس آئے اور اپریل 1981 میں جب اسے کمیشن کا درجہ دیا گیا، تو اس کے پہلے چیئرمین کے طور پر اپنی ذمہ داریاں سنبھالیں۔

بطور سابق سپارکو چیئرمین وہ بتاتے ہیں کہ جنرل ضیا الحق خود ذاتی طور پر خلائی تحقیق میں دلچسپی رکھتے تھے اور اس دور میں سپارکو کو فنڈز اور اختیارات کی کوئی کمی نہیں رہی۔ تاہم اُن کے مطابق آئندہ سالوں میں وہ معاملہ برقرار نہیں رہا۔

'ملک کا پہلا خلائی پراجیکٹ کافی پرعزم اور پرجوش تھا جسے آگے چلائے رکھنے کے لیے مسلسل کام کی ضرورت تھی جو آئندہ سالوں میں اس رفتار سے نہیں ہو سکا، لیکن کام کی بنیاد کو ضائع نہیں ہونے دیا گیا۔'

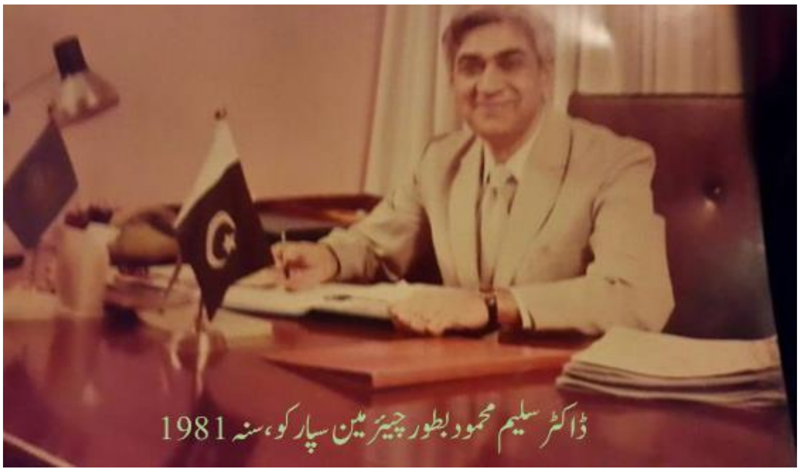
ڈاکٹر سلیم محمود بطور چیئرمین سپارکو، سنہ 1981

یہ سوالات بی بی سی نے ای میل کے ذریعے سپارکو کی موجودہ انتظامیہ کے سامنے بھی رکھے ہیں تاہم تاحال کوئی مؤقف موصول نہیں ہوا ہے۔

عثمانی سلام 'برادران'

ڈاکٹر عبدالسلام کے بارے میں بات کرتے ہوئے ڈاکٹر طارق مصطفیٰ بتاتے ہیں کہ وہ خود تھیوریٹکل سائنسدان تھے، انجنیئر نہیں، اس لیے اس پورے پروگرام میں اُن کا کردار اعلیٰ سطحی نوعیت کا تھا جس میں بین الاقوامی سطح پر رابطہ کاری

شامل ہے کیونکہ وہ بین الاقوامی سطح پر مشہور شخصیت تھے۔ بعد میں ڈاکٹر عبدالسلام کو سپار کو کا اعزازی چیئر مین بھی بنایا گیا۔

ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی (درمیان میں) امریکہ میں ماہر تعمیرات ایڈورڈ سٹون (بائیں) سے پاکستان انسٹیٹیوٹ آف نیوکلیئر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی اسلام آباد کے مجوزہ نقشے پر تبادلہ خیال کر رہے ہیں

اس دور میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی پاکستان اٹامک انرجی کمیشن کے چیئر مین تھے۔ ڈاکٹر طارق بتاتے ہیں کہ ڈاکٹر عبدالسلام اور ڈاکٹر عشرت عثمانی کے درمیان سائنسی ترقی کے لیے ہم آہنگی اتنی زبردست تھی کہ اُنھیں لوگ ’عثمانی سلام برادران‘ کہا کرتے تھے۔ اس راکٹ مشن میں ڈاکٹر عشرت حسین عثمانی کے کردار پر پاکستان میں کم ہی بات ہوتی ہے۔ ڈاکٹر طارق بتاتے ہیں کہ انتظامی طور پر اس پورے پروگرام میں ڈاکٹر عشرت عثمانی نے اہم کردار ادا کیا اور وہ کہتے تھے کہ ’تم لوگ آئیڈیاز لے کر آؤ، بیوروکریسی کو بوتل میں لانا (فنڈز نکلوانا) میرا کام ہے۔‘

وہ ایک دلچسپ واقعہ بتاتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب ڈاکٹر عثمانی کو کراچی میں ڈرگ روڈ پر نیا دفتر دیا گیا تو یہ تجویز دی گئی کہ دفتر کا پارکنگ لاٹ پیچھے کی جانب بنایا جائے۔ مگر ڈاکٹر عثمانی کا کہنا تھا کہ پارکنگ لاٹ سڑک کی جانب ہونا چاہیے تا کہ ہر آتے جاتے شخص کو چمکتی ہوئی گاڑیاں نظر آئیں، لوگوں کے ذہنوں میں اٹامک انرجی کے شعبے کا ماڈرن تشخص پیدا ہو اور کوئی اسے غیر اہم شعبہ نہ سمجھے۔ اُن کے مطابق ڈاکٹر عثمانی کی منطق یہ ہوا کرتی تھی کہ چونکہ پاکستان میں لوگ دکھاوے سے کافی متاثر ہوتے ہیں اس لیے سائنسی کام کے ساتھ ساتھ اس کی چمک دمک بھی ہونی چاہیے تا کہ کام میں مالی رکاوٹ نہ پیدا ہو۔

’آپ لوگ انسان تھے یا جن؟‘

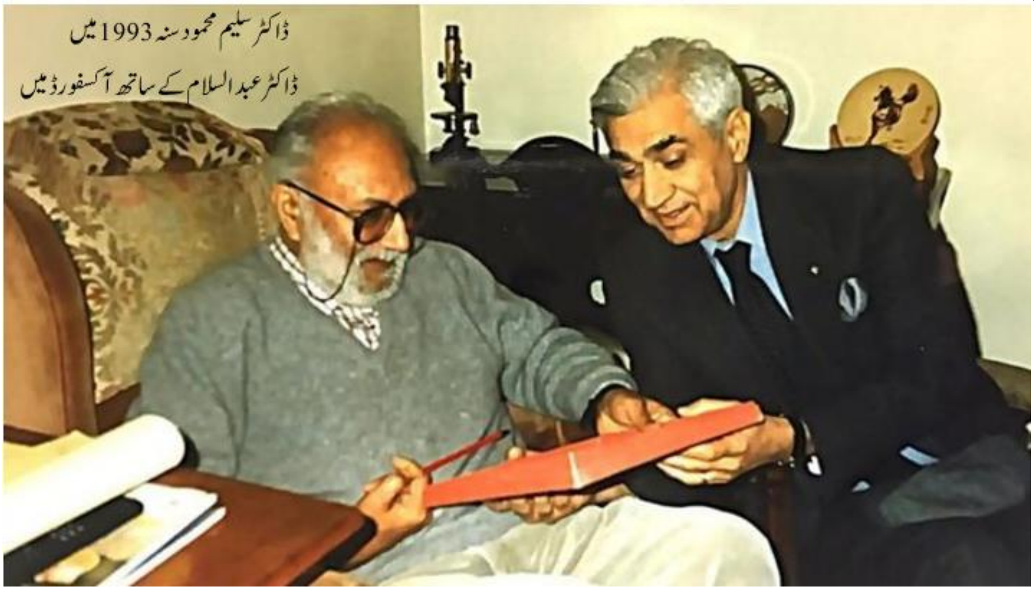

ڈاکٹر سلیم محمود سنہ 1993 میں
ڈاکٹر عبدالسلام کے ساتھ آکسفورڈ میں

اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس پروگرام میں امریکی مدد شامل تھی، لیکن یہ پورا کام پاکستانی سائنسدانوں نے ریکارڈ مدت میں انجام دیا۔ ٹیمیں بنائی گئیں، سائنسی دماغوں کو ایک ساتھ اکٹھا کیا گیا اور ہر کسی سے اس کے شعبے اور مہارت کے مطابق مدد لی گئی۔ پاکستانی سائنسدانوں نے دن رات بلوچستان کی چلچلاتی گرمی میں کام کیا کیونکہ ہر کسی کے سر پر بس ایک ہی دھن سوار تھی کہ پاکستانی راکٹ تجربے کو کامیاب بنانا ہے۔

ڈاکٹر طارق ہنستے ہوئے بتاتے ہیں کہ سونمیانی کی آرٹلری رینج کے انچارج میجر بادشاہ نے تجربے کی کامیابی کے بعد اُن سے کہا کہ ’یار آپ لوگوں نے جو وہاں کام کیا ہے، ہم تو اس پر بڑے حیران ہوئے۔‘

’ایک دن تو ہمیں اطلاع ملی کہ اٹامک انرجی والے لڑکے وہاں آ کر کچھ کرنا چاہتے ہیں، اور چند مہینوں بعد ہمیں پتا چلا کہ وہاں سے راکٹ چھوڑے جا رہے ہیں۔ تو یہ آپ لوگ بتائیں کہ آپ لوگ انسان تھے یا جن؟‘

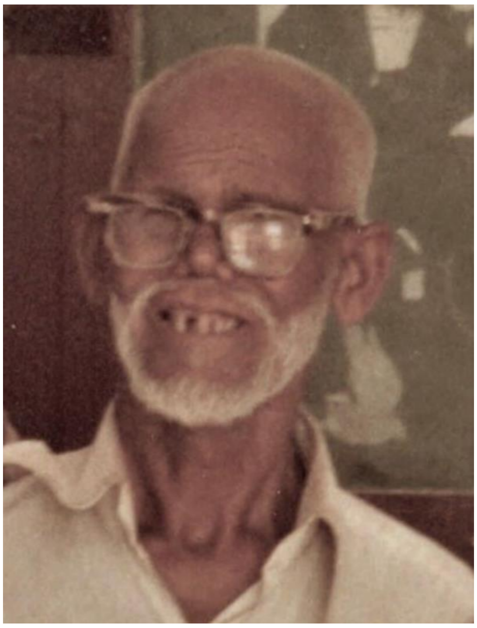

Who remember me after my journey to God! Hello my all students Bachoo Guss!

Who can say these words I know most of Alumni college members must known him because he was the great personalty whom one can not forget I don't want to tell his name but I know he belong to the village Deena situated near Jhelum. He resumed his job in T. I. College might be the year 1950 or some time early than? Because I know him when I was like five six yers old he use to sit near the college gate with keeping bundle of keys and big Huka (hablebuble). The map of the college was when you step in side gate there was a college office. Next to the office there were two office Rooms. One was our beloved principal Mirza Nasir Ahmad sahib the other one give to my father shaikh Mahboob Alam Khalid and then starts varanda (long path then there was a Labartry of science and office of Mian Ataur Rehman sahib And then about 200 hundreds yards there was another office for Habibullah khan sahib and big play ground there and then there was building in this building one professor name. Faizi sb lived then on your left hand was big students Hostile And next to it some class rooms and residence of of our ch Mohammad Ali sahib house And a big excecise area Building and big white stoned library building in the side side room of our one sahabi Name Arjamand khan sahib lived and Moulvee. Mohammad Din sahib librarian live and next to this building there was mosque this was very cool and comfortable even no Air condition was there but And next to this area. There was a. Big building where senior students live. and our. Sufi Bashart ur Rehman sahib live Then next to this Was food area where very nice dlishes food cook and served to students there were lot. Class rooms and big Hall located I remember this was a year 52 or 53 Ch sir zufferallh khan the Foreign minister Of Pakistan. Was the chief gust visited college in convocation and it was my pleasure to shaking hand and got first prize in staff children's Race in college sports There are lot memories but we were talking about the services of Of SHADI Khan For college when college shifted from Lahore to Rabwah Shadi khan also moved did long time service when he passed away this has been informed. By the principal to some some retired professor about his death then. Ahmadis professor decided to carry body to his native twin they arranged big. Van they traveled with body to Deena and they talked with MPS of this Area and try to get knowledge about his any relative but invain then decided to his burial there graveyard located this location this has been by my brother professor Monowar. Shamim Khalid who also has passed away in February 2020 may Allah tala give them high status in haven and should remember those for long heathy life and save fro Covid 19 Ameen I will be appreciated this be published in USA Almanar and other Uk and Germany too.

(Khalid Hamid) Centrel Jursy

وجہ قتل: احمدی ہونا

از راشد احمد۔21 مئی 2022۔بشکریہ "ہم سب"

مولانا فضل الرحمان سے لے کر علی محمد خان تک سارے سیاستدانوں کو مبارک ہو، ان کا احمدی کارڈ مسلسل رنگ لا رہا ہے۔ایک اور احمدی کو تہ تیغ کر دیا گیا اور ہمیشہ کی طرح خنجر پہ کوئی داغ نہ ہی کسی دامن پہ کوئی چھینٹ۔ بس ایک اور سہاگ اجڑا، تین معصوم یتیم ہوئے اور والدین کے ناتواں کندھے مزید جھک گئے۔ قاتل اور اس کے سہولت کار اگلا شکار ڈھونڈنے نکل کھڑے ہوئے ہیں اور سلامتی کے ادارے حسب دستور و روایت کاغذی کارروائی تک محدود۔احمدیوں کے لیے ملک میں امن اور سلامتی کا مطلب ایک گردن زنی سے دوسری تک کا وقفہ رہ گیا ہے۔

پنجاب کے ضلع اوکاڑہ کے علاقے ایل پلاٹ میں جماعت احمدیہ کے چند گھر ہیں۔ آس پاس ایک نامور شدت پسند مذہبی گروہ کی اکثریت ہے جنہیں ریاستی اداروں نے بہت چاؤ اور مان سے پالا ہے۔اس گروہ کے کرتا دھرتا مسلسل احمدیوں کو ہراساں کرتے چلے آرہے ہیں، لیکن جنہیں لفافوں میں نوٹ ملتے ہوں ان کے خلاف کارروائی کی جرات کسے، نتیجہ آئے روز احمدیوں کی لاشوں کی صورت نکلتا ہے۔اس علاقے کے چند گھروں میں سے ایک گھر 35 برس کے ایک گبھرو جوان عبدالسلام کا تھا جو اپنے والدین اور بیوی بچوں کے ساتھ مدت مدید سے یہاں مقیم تھے۔

17 مئی کی شام کو دروازے پہ دستک ہوئی۔ وجہ پوچھی گئی تو بتایا گیا کہ پانی کا کنکیشن ٹھیک کرنا ہے باہر تشریف لائیے۔ جیسے گھروں میں ہوتا ہے ایسا موقع بچوں کے لیے موجب تفریح ہوتا ہے، چنانچہ عبدالسلام کے بچوں نے بھی ساتھ باہر جانے کی خواہش کی۔ تین برس کے بیٹے کو انہوں نے اٹھایا ہوا تھا، جبکہ پانچ برس کا بیٹا باپ کی انگلی تھامے کھڑا تھا۔معصوم بچوں کو کیا خبر تھی کہ وہ جس موقع کو تفریح سمجھ کر نکلے ہیں، وہی ان کے باپ کے لیے موت کا پیغام بن جائے گی۔

ایل پلاٹ کے ایک مدرسے میں گزشتہ دن ہی حفظ قرآن کے کورس سے چند طلبہ فارغ التحصیل ہوئے تھے۔ استاد نے الوداعی تقریر میں احمدیوں کی خبر لینے کی تلقین کی۔ حسبِ سابق انہیں ملک و ملت کا غدار اور یہود و ہنود کی سازش بتایا گیا اور حکومت کے ساتھ ساتھ اہلِ ایمان سے بھی احمدیوں سے نپٹنے کی تلقین کی گئی کہ یہ راستہ نان اسٹاپ فردوس کو نکلتا ہے۔حافظ علی رضا اس تقریر کے بعد ایمانی جذبے سے نہ صرف سرشار ہو گیا بلکہ اس نے اپنے ذہن میں فوری منصوبہ بھی بنا لیا کہ احمدیوں کے ایک تنظیمی عہدیدار کو کیسے "جہنم واصل" کر کے جنت کمانی ہے۔

مدرسے سے فراغت کے بعد سیدھا بازار کا رخ کیا۔ تیز دھار خنجر خریدا اور اسے آب دار کرنے کے بعد اگلے دن کی پلاننگ میں

جت گیا۔اس کی نظر ایل پلاٹ کے ایک معروف احمدی عبد السلام پہ تھی۔عبد السلام ایک معروف احمدی ہونے کے ساتھ سماجی طور پہ بھی نمایاں تھے۔اعلی اخلاق کی بدولت ان کی دوستی ہر طبقے کے لوگوں سے تھی،اس لیے حافظ علی رضا کو انہیں ٹارگٹ کرنے میں کوئی دشواری پیش ہوتی نظر نہیں آرہی تھی۔حافظ علی رضا نے اپنے ایک قریبی دوست کو اعتماد میں لیا اور اس کے ساتھ منصوبہ بنایا کہ کیسے عبد السلام کو گھر سے باہر بلانا ہے اور باتوں میں لگانا ہے اور وہ پیچھے سے وار کرے گا۔منصوبہ پایہ تکمیل کو پہنچا تو دونوں دوست گھروں کو روانہ ہوئے اور اگلے روز شام کو ملنے کا وقت طے کیا۔

عبد السلام صاحب گھر سے باہر تشریف لائے تو یہ ایک ٹھنڈی ہوتی شام تھی۔چھوٹے بیٹے کو انہوں نے بانہوں میں اٹھایا ہوا تھا جبکہ بڑا بیٹا انگلی تھامے کھڑا تھا۔ابھی وہ صورت حال کا جائزہ ہی لے رہے تھے کہ مدرسے کی تربیت علی رضا کے کام آئی اور اس نے پیچھے سے آکر خنجر کے پے در پے وار کیے۔عبد السلام اپنے بیٹے سمیت نیچے گر گئے تو قاتل نے سینے پہ مزید وار کیے تاکہ جنت میں اپنا مکان مزید اونچا کر سکیں۔اسی اثنا میں عبد السلام کے بیٹے بھی چھری لگنے سے زخمی ہو گئے۔قاتل نے واردات مکمل کی اور فرار ہو گیا۔عبد السلام زخموں کی شدت کی تاب نہ لاتے ہوئے موقع پہ ہی جاں بحق ہو گئے۔آپ المیہ دیکھیے اس خون ناحق پہ اگر ایک خاص لفظ استعمال کر لیا جائے تو تین برس کے لیے قید ہو سکتی ہے۔

قاتل گرفتار ہو بھی جائے تو اس سوچ کی گرفتاری کیونکر ہو گی جس کی وجہ سے ایک تازہ فارغ التحصیل طالب علم ایک آدمی کی جان لینا قطعاً کوئی جرم اور گناہ خیال نہیں کرتا،الٹا اسے باعث ثواب سمجھتا ہے۔جب تک یہ سوچ اور اس کے خالق و مالک باقی ہیں احمدیوں کو مزید خون دینے کو تیار رہنا چاہیے۔ریاست اور ریاستی اداروں کو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ کیسے ایک مذہبی اقلیت کی زندگیاں اجیرن کر دی گئی ہیں،زمین باوجود اپنی فراخی کے ان پہ تنگ کر دی گئی ہے۔

ہر آئے دن کوئی سیاسی "رہنما" احمدی کارڈ کھیلتا ہے،اپنے مذموم مقاصد حاصل کرتا ہے اور لوگ جان سے چلے جاتے ہیں۔
عبد السلام کا قتل محض ایک فرد کا قتل نہیں ہے۔یہ بہت سی آرزوؤں اور خواہشات کا خون ہے۔

والدین کی آنکھیں اب اس اُمید کو کبھی دیکھ نہیں سکیں گی جسے وہ اپنے بڑھاپے کا سہارا سمجھتے تھے۔وہ بیوہ کبھی اس صدمے سے باہر نہیں آسکے گی،جس کی محبت اور جس کا سہاگ ہمیشہ کے لیے مذہبی منافرت کی بھینٹ چڑھ گیا۔وہ تین معصوم بچے کبھی بھی اپنے والد سے لاڈ نہیں کر سکیں گے اور مدتوں والدہ سے پوچھتے رہیں گے کہ ہمارے ابو کب آئیں گے؟۔انہیں کہانی سناتے ہوئے والدہ کی آنکھیں مسلسل نم رہیں گی اور کچھ بھی پہلے جیسا نہیں رہے گا۔

نہ وہ تم بدلے نہ ہم طور ہمارے ہیں وہی　　　فاصلے بڑھ گئے پر قرب تو سارے ہیں وہی

ایک قاضی کے پاس کسی آدمی نے کچھ روپیہ امانت رکھا لیکن جب واپس لینے کے لئے آیا تو قاضی نے کہہ دیا کہ کیسا روپیہ۔ مجھے کب دیا تھا، تم غلط کہتے ہو۔ اس نے کہا حضور فلاں وقت اتنی تعداد روپوں کی میں نے آپ کے حوالے کہ تھی کہ اسے امانت رکھیں تو قاضی نے بڑی سختی سے اس بیچارے کو باہر نکلوا دیا اور کہا کہ کای ہم خائن ہیں۔ تم نہیں جانتے کہ میں شہر کا حاکم ہوں قاضی ہوں تم مجھ پر بدظنی کرتے ہو۔ وہ بیچارہ بادشاہ کے پاس فریاد لے کر گیا۔ تو بادشاہ نے کہا میں اب کیا کر سکتا ہوں وہ کہہ دے گا کہ میں قاضی ہوں میں ایسا نہیں کر سکتا ہوں اور ثبوت تو کوئی ہے نہیں۔ ہاں البتہ ایک طریقہ ہو سکتا ہے۔ اگر تم ایسا کرو تو شاید تمہارا روپیہ واپس مل سکے۔ وہ یہ کہ کل جب جلوس نکلے تو تم بھی دیکھنے والوں میں کھڑے ہو جانا مگر قاضی کے نزدیک یا پاس کھڑے ہونا۔ میں آؤں گا اور تمہیں السلام علیکم کہوں گا۔ تم ڈرنا نہیں اور بڑی بے تکلفی سے میرے ساتھ باتیں کرنا۔ اس نے ایسا ہی کیا جب بادشاہ آیا اور اس نے السلام علیکم کہا تو اس نے وعلیکم السلام کہا۔ بادشاہ نے کہا کیوں میاں تاجر (اس کا نام لے کر) بڑے افسوس کی بات ہے کہ تم اتنی مدت ہو گی کہ کبھی ملنے کو ہی نہیں آئے۔ تم تو ہمارے دوست ہو۔ غرض اس طرح وہ اور بھی بڑی بے تکلفی سے باتیں کرتا رہا۔ اور جب بادشاہ آگے چلا گیا تو قاضی نے آہستہ سے اس کو کہا کہ کیوں میاں کل جو تم روپے کا ذکر کرتے تھے وہ کون سا روپیہ تھا۔ اس نے پھر وہی نشان بتلا دیئے جو اس نے پہلے بتلائے تھے تو قاضی نے اس کا روپیہ اس کو دیدا اور کہا تم نے پہلے ہی یہ باتیں مجھ کو نہ بتلائیں۔ غرض اسی طرح انسان کو تعلق اگر مالک سے ہو جاوے تو مملوک اسے کچھ دکھ یا تکلیف نہیں دے سکتے۔ تمام پھر خدمت گار بن جاتے ہیں۔ اس لئے تم بھی اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھو تا کہ تم کو کوئی دکھ نہ دے اور کوئی چیز تمہیں تکلیف نہ دے سکے گی۔ (خطبات محمود 1914۔ الفضل۔8 اپریل 1914)

لالو میرے نال شرط

بات صرف 44 سال پورانی ہے۔ یہ وہ دَور تھا جسے دنیا کی سیاسی اور فوجی زبان میں سرد جنگ کا دور کہتے ہیں۔ ہمبرگ جرمنی کے ایک نواحی قصبہ میں پاکستانی نوجوان چالیس پچاس کی تعداد میں مقیم تھے۔ جبکہ ایک فیکٹری میں اکٹھے دس گیارہ تھے۔ یہ تو ناممکن ہے کہ دو پاکستانی اکٹھے ہوں اور سیاستِ عالم پر گفتگو نہ ہو۔ یہاں فیکٹریوں میں عموماً ساڑھے بارہ سے ایک بجے تک دوپہر کا وقفہ ہوتا تھا اور ملازمین کے لئے ایک کمرہ میں میز کرسیاں رکھی ہوتی تھیں جہاں وہ ہاتھ منہ صاف کر کے گھر سے لایا ہوا دوپہر کا کھانا تناول کیا کرتے تھے۔

اشرف: روس کے پاس میزائیل اتنے زیادہ ہیں کہ پورے یورپ کو ملیامیٹ کر دے۔

اکرم: لیکن امریکہ نے اس کے میزائیلوں کو ہوا میں اُڑنے سے پہلے ہی تباہ کر دینا ہے۔

اشرف: تجھے نہیں معلوم کہ رُوسی میزائلوں نے تو پتہ ہی نہیں لگنے دینا۔

اکرم: یہ تو ناممکن ہے۔

اشرف: روس نے تین منٹ میں یہ سارا کام کر لینا ہے

اکرم: تمہیں کیسے پتہ ہے؟

اشرف: بس میں نے کہہ جو دیا ہے۔

اکرم: لیکن تین منٹوں میں؟

اشرف: تمہیں یقین نہیں ہے ناں۔ تو لگا لو میرے ساتھ شرط!!

ابھی یہ مدبرین مصروفِ گفتگو تھے کہ فیکٹری میں گھنٹی بج گئی اور انہیں بادلِ نخواستہ اس موضوع کو ختم کر کے اپنے اپنے کام کی جگہ جانا پڑ گیا۔ شکر ہے گھنٹی بج گئی ورنہ شرط جیتنے کے لئے امریکہ روس کے درمیان تو جنگ ہو ہی چلی تھی۔

طاہر اشرفی صاحب، سعودی عرب اور اسرائیل

(از الم نگار۔5 جون 2022۔بشکریہ ہم سب)

ایک بار پھر یہ خبر شائع اور نشر ہوئی کہ کچھ پاکستانی اسرائیل جا پہنچے۔یہ خبر اڑانے والے کوئی ایسے ویسے صحافی نہیں تھے جنہیں کسی لفافہ کا وصول کنندہ قرار دے کر جھٹلایا جا سکے۔یہ بھانڈا خود اسرائیل کے صدر نے ورلڈ اکنامک فورم کے چوراہے میں پھوڑا کہ کچھ پاکستانی امریکنوں کا وفد اسرائیل میں ان سے ملا تھا۔وہ تو سویٹزر لینڈ میں بی جمالو کا کردار ادا کر کے اسرائیل سدھارے اور ہم نے پاکستان میں ایک دوسرے کے گریبانوں پر مشق شروع کر دی۔

بھاگو دوڑو اور لینا پکڑنا کا شور شروع ہوا۔ یہ کون غدار تھے؟ اسرائیل گئے تو کس طرح گئے اور کس کے کہنے اور بہکانے سے گئے؟ عمران خان صاحب نے اسے بھی امریکہ کی تازہ تازہ امپورٹڈ غلامی کا نتیجہ قرار دیا اور ایک جلسہ عام میں فرمایا کہ یہ تصویر تو شائع ہو گئی ہے کہ پاکستانیوں کا ایک وفد اسرائیل گیا ہے، اب اس دن کی راہ دیکھو جب کشمیر کا سودا کیا جائے گا۔

اس نازک صورت حال میں آل پاکستان علماء کونسل کا خاموش رہنا قرین مصلحت نہ تھا۔اس کونسل کے صدر طاہر اشرفی صاحب نے بھی اس معاملہ پر اظہار تشویش شروع کیا۔انہوں نے مختلف بیانات میں کہا کہ ہم نے وزارت داخلہ اور وزارت خارجہ کو خط لکھا ہے کہ کچھ لوگ پاکستان کے پاسپورٹ پر اسرائیل کس طرح گئے؟ان کے متعلق قانون کے مطابق کارروائی ہونی چاہیے۔انہوں نے وزیر اعظم سے اس پر تحقیقات کا مطالبہ کرتے ہوئے کہا کہ جو لوگ اسرائیل گئے ہیں انہوں نے امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کیا ہے۔طاہر اشرفی صاحب پہلے بھی بارہا اس موضوع پر اظہار خیال کر چکے ہیں۔ایک سال قبل انہوں نے بول چینل پر اینکر پرسن مدثر اقبال صاحب کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا تھا کہ اس مسئلہ پر مسلمان ممالک بے حسی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔اور کہا تھا کہ مسلمان ممالک میں صرف دو ممالک یعنی پاکستان اور سعودی عرب ایسے ہیں جن کے اسرائیل سے کوئی روابط نہیں ہیں، تجارت نہیں ہے اور ان کے کوئی مفادات اسرائیل سے وابستہ نہیں ہیں۔

اگر کسی بھی پاکستانی نے پاکستان کا قانون توڑتے ہوئے اسرائیل کا دورہ کیا ہے تو اس کے بارے میں قانون کے مطابق کارروائی ہو سکتی ہے۔اور یہ بات بھی سو فیصد درست ہے کہ کسی بھی صورت میں ان مظالم کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا جو اسرائیل کی طرف سے فلسطینیوں پر کیے جا رہے ہیں اور یہ مظالم اتنے واضح ہیں کہ ان سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔لیکن ان بیانات نے بعض سوالات کو بھی جنم دیا ہے۔ طاہر اشرفی صاحب کا کہنا ہے کہ جن پاکستانیوں نے اسرائیل کا دورہ کیا ہے انہوں نے امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کیا ہے۔ اور انہوں نے جذباتی انداز میں کہا کہ کچھ لوگ پاکستان میں اسرائیل کے لئے فضا بنا رہے ہیں۔ان لوگوں کو فلسطینی بچوں پر ہونے والے مظالم نظر نہیں آ رہے اور انہیں فلسطینی بہنوں کے سروں سے اتاری گئی چادریں نظر نہیں آ رہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا امت مسلمہ کے دل صرف اس وقت زخمی ہوتے ہیں جب کوئی پاکستانی اسرائیل کا دورہ کرتا ہے یا اس وقت بھی ان دلوں پر ضرب لگتی ہے جب عرب ممالک میں سے کوئی اسرائیل کو تسلیم کرتا ہے یا جب بعض عرب ممالک

اسرائیل تسلیم نہ کرنے کے باوجود اس سے تجارتی اور سفارتی روابط قائم کرتے ہیں اور ان کو پروان چڑھاتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا ہے ایک سال قبل طاہر اشرفی صاحب نے سعودی حکومت کو کلین چٹ عطا فرمائی تھی کہ ان کے اسرائیل سے کسی قسم روابط نہیں ہیں۔ اس لئے اس کالم میں اس سلسلہ میں بعض حقائق پیش کیے جائیں گے۔

اب یہ راز کوئی راز نہیں کہ سعودی عرب اور اسرائیل کچھ سالوں سے ایک دوسرے سے نہ صرف روابط قائم کر رہے ہیں بلکہ ایک دوسرے تجارتی تعلقات بھی بڑھا رہے ہیں۔ اور اب تو سعودی عرب نے اسرائیل میں سرمایہ کاری بھی شروع کر دی ہے۔ اور تو اور ان دنوں میں جب ہم اسرائیل کے دورہ کے مسئلہ پر ایک دوسرے پر کیچڑ اچھالنے میں مصروف تھے سعودی عرب اور اسرائیل کے اہم شہری بہت یکسوئی سے تجارتی مذاکرات میں مصروف تھے۔ اور یہ خبریں اسرائیل کے اخبارات میں شائع ہو رہی تھیں۔

چنانچہ ٹائمز آف اسرائیل نے 29 مئی کو یہ خبر شائع کی کہ اسرائیل سے ایک دو نہیں بلکہ درجنوں تاجر اور ٹیکنالوجی کے ماہرین سعودی عرب پہنچ کر وہاں کی اہم شخصیات سے مذاکرات کر رہے ہیں۔ اور فخر سے لکھا کہ اصل میں سعودی ولی عہد ایران کے خلاف اسرائیل کو ایک اتحادی سمجھتے ہیں۔ اور سعودی حکومت کی اجازت سے ہی بحرین نے اسرائیل کو تسلیم کیا ہے اور سعودی عرب کا دورہ کرنے والی اہم اسرائیلی شخصیات سعودی عرب میں اسرائیلی پاسپورٹوں پر داخل ہو رہی ہیں اور ان کو سعودی حکومت سپیشل ویزے جاری کر رہی ہے۔ اور سعودی عرب اور اسرائیل میں دفاعی معاہدات بھی ہو چکے ہیں۔ اور اب سعودی عرب اسرائیل کی کئی کمپنیوں میں کئی ملین ڈالر کی سرمایہ کاری کر رہا ہے۔ اور یہ خبر معروف جریدے وال سٹریٹ جرنل میں بھی شائع ہو چکی ہے۔ اور اسی جریدے نے یہ تجزیہ کیا ہے کہ اب سعودی حکومت اسرائیل میں سرمایہ کاری کرنے میں گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ اور کہا جاتا ہے کہ سال گزشتہ کے آخر میں سابق اسرائیلی وزیر اعظم نیتن یاہو اور اسرائیل کے خفیہ ایجنسی موساد کے سربراہ یوسی کوہن نے دیگر اہم شخصیات سمیت سعودی عرب کا دورہ کیا تھا۔

اور یہ خبریں وہ خبریں نہیں جو کہ غالب کو اڑتی اڑتی طور کی زبانی مل جایا کرتی تھیں بلکہ خود اسرائیل کے وزیر خارجہ نے بیان دیا ہے کہ سعودی عرب سے تعلقات کو معمول پر لانے پر کام ہو رہا ہے اور یہ سفر چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر سرانجام دیا جائے گا۔

کالم کے آخر میں ہم ایک بار پھر پاکستان علماء کونسل اور طاہر اشرفی صاحب کے بیانات کی طرف واپس آتے ہیں۔ آپ نے اپنے جذبات کا اعلان کر دیا کہ جو پاکستانی اسرائیل جاتا ہے وہ پوری امت مسلمہ کے دلوں کو زخمی کرتا ہے۔ آپ نے اسی جذباتی انداز میں فلسطین کے مظلوم بچوں اور ان کی خواتین کے سروں سے اترے ہوئی چادروں کا ذکر بھی کر دیا۔ لیکن اس مسئلہ پر روشنی ڈالیں کہ جب سعودی حکومت اہم اسرائیلی شخصیات کا خیر مقدم کرتی ہے تو کیا اس وقت امت مسلمہ کے دل زخمی ہوتے ہیں کہ نہیں ہوتے؟ پوری دنیا جانتی ہے کہ سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان روابط نہ صرف ہو رہے ہیں بلکہ تیزی سے بڑھ رہے ہیں، پھر آپ یہ بیان کیوں جاری کرتے ہیں کہ سعودی عرب اور اسرائیل کے درمیان کوئی روابط نہیں ہیں۔

اپنے ہم وطنوں پر گرجنا برسنا اور انہیں صیہونی ایجنٹ قرار دینا آسان ہے لیکن اہل فلسطین کے لئے درد تو تب ہو تا جب آپ ریال اور ڈالروں کی پرواہ کیے بغیر اس قدم پر سعودی عرب کی حکومت کے ان اقدامات کی بھی مذمت کرتے۔ اور طاہر اشرفی صاحب کو تو گزشتہ حکومت کے دوران مشرق وسطیٰ کے لئے وزیر اعظم کا خصوصی نمائندہ مقرر کیا گیا تھا اور اس تقرری کی دلیل یہ بیان کی گئی تھی کہ وہ عربی زبان پر عبور رکھتے ہیں۔ کیا جب طاہر اشرفی صاحب اس عہدے پر کام کر رہے تھے انہوں نے اسی زبان دانی کا فائدہ اٹھا کر سعودی حکومت کی خدمت میں یہ عرض کی تھی کہ

یا اخی! آپ اسرائیل سے کیوں روابط بڑھا رہے ہیں۔ کچھ تو فلسطین کے مظلوم بچوں اور خواتین کے سر سے اُتری چادروں کا خیال کریں؟

1972 میں سائنس بلاک
جامعہ نصرت کے
افتتاح کے موقع پر
حضرت خلیفۃ المسیح الثالثؒ
عقب میں
پروفیسر ایس ایم شاہد صاحب

On chairs L to R: Tahir Ahmed Malik, Bashir Tariq (Gen Sec.), Prof Dr. S. M. Shahid Sahib (Inch union) Prof Ch. Muhammad Ali Sahib (Principal) Naseer Ahmed Chaudhry (President) Maqsood Ahmed, Laeeq Ahmed Abid
Standing L to R: Kaleem Ullah, Unknown, Habib Ullah Tariq- 1971